جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان
ماہنامہ
محدثِ عصر
بانی
فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ
مدیر
سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۱۷ء، جلد نمبر ۱۸، شمارہ نمبر ۵، سلسلہ نمبر ۱۸۰

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484

ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

اشتراک وتعاون

اندرون ملک:

فی شمارہ -/15 سالانہ -/150

خصوصی -/1000

تاحیات -/10000

بیرون ملک:

سالانہ: 20 امریکی ڈالر

خصوصی: 100 امریکی ڈالر

تاحیات: 500 امریکی ڈالر

ورق درورق

صریر خامہ

قند مکرر

قرطاس وقلم

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

عالمِ اسلام اس وقت شدید بحران سے دو چار ہے، کیا مصر، کیا عراق، کیا فلسطین، کیا شام، ہر جگہ دہشت ہے، خوں ریزی ہے، شدت پسندی ہے، افراتفری ہے، حد تو یہ کہ سعودی عرب اور قطر میں بھی رسہ کشی پیدا ہوئی، اب وہ روز بروز سنگین رخ لیتی جارہی ہے، سعودی کے ساتھ چند ممالک بھی قطر کا مقاطعہ کر چکے، آنے والا ہر دن گذرنے والے ہر دن سے ڈراؤنا اور وحشت ناک ثابت ہورہا ہے، مسلمانوں میں ایک ہلچل سی ہے، بے چینیاں ہیں، مایوسیاں ہیں۔

ادھر پاکستانی سیاست ماضی کی طرح ایک بار پھر زیر وزبر ہوگئی، اقتدار اِس ہاتھ سے پھر اُس ہاتھ چلا گیا، حریفوں کی کشاکش اور اس کی نتیجہ خیزیاں حیرتِ آئینہ ہیں۔ نواز شریف آئے بھی اور گئے بھی، مسلم لیگ نون کے سربراہ اور پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف پھر ''سابق'' کا لاحقہ لگائے بیٹھے ہیں، پنامہ لیکس کے بعد ان کے سیاسی رقیبوں نے جو جال بنے تھے، احتجاج اور جلوس سے جو فضا بنائی تھی، وہ آخر اپنا کام کرگئی، عدالتِ عالیہ نے گمنام اثاثے کی بنیاد پر نواز شریف کو نا اہلی کا پروانہ تھمادیا، ایسی نا اہلی کہ وزارتِ عظمیٰ سے بھی گئے اور پارٹی قیادت سے بھی۔

یہ فیصلہ چونکانے والا بھی ہے اور حوصلہ افزا بھی، حیرت انگیز بایں معنیٰ کہ ملک کی سب سے طاقت ور شخصیت اس کی زد میں آئی، وزیر اعظم کہیں کا بھی ہو، ممتاز حیثیت رکھتا ہے، سیاہ وسفید کا مالک، ملک کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے، عالمی سطح پر بھی ملک کا ترجمانِ اعلیٰ یہی ہوتا ہے، حکمراں کے خلاف مقدمات، پھر ان کی غیر جانب دارانہ سماعت، اس سے بھی بڑھ کر دوٹوک اور بے لاگ فیصلہ اپنے آپ میں تاریخی ہے، جمہوری ممالک میں ایسی مثال اس سے پیش تر نہیں دیکھی گئی۔ دوسروں کو تو کیا کہئے، خود نواز شریف کو بھی یہ خیال نہ رہا ہوگا کہ وقت ان کے ساتھ ایسی بے رخی دکھائے گا، لیکن یہ دنیا ہے، وہ بھی دنیائے سیاست، کب کس کی پگڑی اچھلے، کب کس کی پالکی رکھ دی جائے، کب کس پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا جائے، کچھ کہنا ممکن نہیں۔ وزارتِ عظمیٰ سے ایسی دوری نواز شریف کو عمر بھر رُلائے گی، تاریخ گواہ ہے کہ اس طرح کے زخم کبھی مندمل نہیں ہوتے۔

سپریم کورٹ نے نواز کو نااہل قرار دے کر جرأت کردار کی اعلیٰ مثال قائم کی، اس نے واضح کر دیا کہ عدالت کا کام منصفانہ فیصلے ہیں، اس کی نظر میں خویش و درویش سب یکساں ہیں، کوئی سریر آرائے سلطنت ہو یا گدائے راہ نشیں، جب معاملہ عدالت میں جائے گا تو معیاری انصاف کے لئے اسے تیار رہنا ہوگا، پاکستان عدلیہ کی یہ روش عالم انسانیت کے لئے ایک آئینہ ہے، اس آئینے میں اپنا چہرہ اسے ضرور دیکھنا چاہئے۔

❊❊❊

یہ لیجئے! ایک اور انہونی، شیعہ وقف بورڈ نے نیا گل کھلا دیا، بابری مسجد کی شہادت کو ۲۵ / واں برس جاری ہے، اس دوران چشم فلک نے کتنے عروج اور کتنے زوال دیکھے، مقدمات کا ایک لامتناہی سلسلہ، تاریخ پر تاریخ، کمیشن پر کمیشن، کتنے جج آئے اور گئے، معاملہ جوں کا توں، ملزمین اب تک آزاد ہیں، رام مندر کی تعمیر بھی روز اول میں، ۲۰۱۰ء میں الہ آباد ہائی کورٹ نے عجیب وغریب فیصلہ سنایا، اتنا عجیب کہ تینوں فریق میں سے کوئی بھی اسے تسلیم نہ کرسکا، اب معاملہ سپریم کورٹ میں ہے، بڑے بڑے سیاسی زعما پھر سے عدالت کا طواف کررہے ہیں، بی جے پی کے سینئر لیڈر سبرامنیم سوامی اپنی انتھک جدوجہد سے اس قضیے کے ایک فریق ہیں، خیر ہے کہ حتمی سماعت ۵ / دسمبر سے شروع ہوگی، اسی تاریخ سے جس دن مسجد کی شہادت کو ۲۵ / برس گذر جائیں گے۔

انجام جو بھی ہو، اندازہ یہی ہے کہ یہ ناسور قضیہ آخری موڑ پر پہونچ چکا ہے، عدلیہ کسی نہ کسی نتیجے تک ضرور پہنچے گی، آخری فیصلے کا انتظار مسلمان کو بھی ہے اور حامیان مندر کو بھی، برادران وطن کی شدت پسند تنظیمیں بارہا دھمکی دے چکی ہیں کہ ۲۰۱۹ء تک رام مندر بن جائے گا، دعا یہی ہے کہ رب خیر کرے۔

مسلمانوں کا باہمی اختلاف عالم آشکار ہے، بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں میں اتنے فرقے ہیں کہ شمار سے باہر، ایک دوسرے کی نظر میں حق سے سبھی خارج، جھگڑے ہی جھگڑے، تقسیم ہی تقسیم، حالانکہ تباہی کا رقص سبھوں نے دیکھا، مگر حریصان سیادت آتش نوائی میں مصروف۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، شیعہ پرسنل لاء الگ، بریلوی فرقے کا الگ، ایک قضیہ جو نقطۂ اتحاد بنا رہا، وہ بابری مسجد کا قضیہ ہے، مگر اب اسے بھی نظر لگ چکی ہے، شیعہ وقف بورڈ نے سپریم کورٹ میں حلف نامہ دائر کرکے مسجد پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کردیا، اس کا کہنا ہے کہ مسجد کا نام اگرچہ بابر کے نام پر تھا، تاہم اس کی تعمیر ایک شیعہ میر باقی نے کرائی تھی، یہ مسجد شیعہ تھی، اگرچہ امام سنی تھے مگر نمازیوں میں سنی بھی تھے اور شیعہ بھی۔ ۱۹۴۶ء تک اس پر شیعہ کا ہی قبضہ رہا۔

شیعہ وقف بورڈ یہیں نہیں رکا، دوقدم آگے بڑھا کر یہ ارشاد بھی ہوا کہ جب ملکیت شیعہ کی ہے تو اس کی قسمت کا فیصلہ بھی یہی جماعت کرے گی، بہت ہو چکا، تنازعات کا تسلسل اب ٹوٹنا چاہئے، لہٰذا عرض ہے کہ مسجد کی جگہ مندر کی تعمیر ہو ہی جانی چاہئے۔ شیعہ وقف بورڈ کے اس اقدام پر غیر شیعہ ہی کیا، خود دیگر شیعہ بھی برہم نظر آئے اور انہوں نے وقف بورڈ کے فیصلے کی کڑی تنقید بھی کی۔

یک نہ شد، دوشد، شیعہ وقف بورڈ کے بعد مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر جناب کلب صادق بھی اسی موقف پر اُتر آئے، جناب کہتے ہیں کہ فیصلہ مسلمانوں کے خلاف آئے تو دل گیر ہونے کی ضرورت نہیں، اور اگر ان کے حق میں آئے تو خوشی خوشی یہ زمین مندر کے لئے دے دی جائے، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر کا یہ بیان ہر طرح قابل مذمت ہے، بورڈ کو اس پر مؤاخذہ کرنا چاہیے۔

معاملہ عدالت میں جاچکا تو اب خاموشی ہی بہتر ہے، عدلیہ کی نظر میں جو لوگ فریق ہیں، انہیں اپنا حق رکھنے دیجئے اور فیصلہ عدالت پر چھوڑ دیجئے، یہ بے وقت کی راگنی اور بے سرے راگ تلخیاں بڑھانے کے سوا کچھ نہیں۔

***

بی جے پی کا عروج دیکھئے، دیکھتے ہی دیکھتے ایک اور کلیدی عہدہ آر ایس ایس کے ہاتھ چلا گیا، اطلاعات ونشریات اور شہری ترقی کے سابق مرکزی وزیر وینکیا نائیڈو ملک کے تیرہویں نائب صدر جمہوریہ بن گئے، ۵ / اگست کو ہوا یہ انتخاب ان کے حریف گوپال کرشنن گاندھی کے لئے بادِ صرصر ثابت ہوا، انہیں ۱۸ / اپوزیشن پارٹیوں نے کھڑا کیا تھا، جیسی امید تھی نتیجہ اس کے مطابق نکلا، مسٹر گاندھی ۲۴۴ ووٹ لے کر دوسرے نمبر پر رہے، جب کہ فاتح امیدوار وینکیا نائیڈو نے ۷۸۵ میں سے ۵۱۶ ووٹ حاصل کر لئے۔

مسٹر نائیڈو بی جے پی کے قدیم ممبر اور اس کے وفادار کارکن رہے ہیں، سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی کے عہد حکومت میں انہوں نے وزارت بھی سنبھالی ہے، وہ زعفرانی پارٹی کے برسوں تک صدر بھی رہے، ۱۰ / اگست کو حامد انصاری کی میعاد ختم ہوئی اور اگست ۱۱ / کو نائیڈو نے یہ مسند سنبھال لی۔

صورتِ حال اب یہ ہے کہ صدر جمہوریہ، نائب صدر اور وزیر اعظم آر ایس ایس کے چہیتے چہرے ہیں، اس کامیابی سے حزب اختلاف کی پوزیشن صاف ہوگئی، واضح ہوگیا کہ اپوزیشن لبِ گور ہے، ملک کی بدقسمتی کہ حزب اختلاف، اختلافِ شدید کی آماجگاہ بن چکا، اتنا اختلاف کہ اس کا وجود

وعدم دونوں یکساں، لوگ پروانے کی طرح بی جے پی پر گر رہے ہیں، جنتا دل یو نے اپنے وعدے کے مطابق گرچہ گاندھی جی کے پوتے گوپال کرشنن کو ووٹ دیا، تاہم وہ بھی جانتے تھے کہ اس سے این ڈی کے عزائم میں نقب لگانا ممکن نہیں۔

یہ ملک جمہوری ہے، جمہوری عمل سے جس کا بھی انتخاب ہو، اسے تسلیم کرنا چاہئے، مسٹر نائیڈو نے کامرانی حاصل کرلی، بہت اچھا، اب ان کے سامنے مسائل کا انبار ہے، مسٹر حامد انصاری نائب صدر کے ساتھ راجیہ سبھا کے چیرمین بھی تھے، اندازہ یہی ہے کہ نائیڈو کے لئے اس عہدے کا حصول مشکل ہے، مرکزی حکومت بی جے پی کی ہزار سہی، مگر راجیہ سبھا میں سکہ اپوزیشن کا چلتا ہے۔

مسٹر نائیڈو کئی بار اپنے منفی تبصروں کی وجہ سے سرخیوں میں رہے ہیں، مسلمانوں کے تئیں ان کا رویہ وہی رہا، جو بھاجپا کا ہے، نائب صدر بننے کے بعد بھی ان کا یہ نظریہ بظاہر برقرار ہے، ۱۰ / اگست کو مسٹر حامد انصاری نے اپنی الوداعی تقریر میں مسلمانوں کے تئیں خدشات کا اظہار کیا تھا اور بہت واشگاف لہجے میں کہا تھا کہ مرکز کے طرزِ حکومت سے مسلمانوں میں اضطراب اور عدم تحفظ کا احساس ہے، اہل ایمان کی حب الوطنی پر ناروا شک کی یورشیں ہیں، تین طلاق پر عدالت کو دخل اندازی سے گریز کرنے کا بھی انہوں نے مشورہ دیا تھا، ان کے اس بیان پر بی جے پی ناراض ہوئی تو حیرت کیوں کیجئے، نومنتخب نائب صدر نے اس پر جو تبصرہ کیا، پڑھنے کی چیز دراصل یہی ہے، آپ فرماتے ہیں: ایسے بیانات کا مقصد صرف شہرت حاصل کرنا ہے، ہندوستان میں اقلیتیں بالکل محفوظ ہیں،،

مضیٰ مامضیٰ۔ امید کرنی چاہئے کہ مسٹر نائیڈو اپنی شبیہ بہتر بنا کر ملک کی توقعات پر پورا اُترنے کی کوشش کریں گے۔

***

تلون کیش تو دنیا کی ہر شے ہے، مگر سیاست کا مزاج تو شاید سب سے زیادہ متلون۔ یقین کی تازگی کے لئے بہار کی سیاست دیکھ لیجئے، یاد ہوگا کہ ریاستی انتخابات آر پار کی جنگ تصور کی گئی تھی، بھاجپا کے خلاف ایسی صف بندی کہ برسوں کے حریف ایک محاذ پر نظر آئے، راشٹریہ جنتا دل، جنتا دل یو اور کانگریس نے ''عظیم اتحاد'' کے عنوان سے وہ دیوار کھڑی کی کہ بی جے پی کے لئے سد سکندری ثابت ہو کر رہی، بہاری عوام کی سیاسی آگہی کو سب نے سلام کیا، زعفرانی محاذ کو انہوں نے ایسا ہدف بنایا کہ مسلم پارٹیوں کو بھی ووٹ نہیں دیا، نتیجہ یہ کہ ہزار کوششوں کے باوجود بی جے پی میدان ہار گئی، نیرنگی زمانہ دیکھئے، کل تک کے حریف

نہ صرف فاتح بن کر نکلے بلکہ لالو اور نتیش کی متحدہ حکومت بھی بنی، یہ نتیجہ پورے ہندوستان کے لئے ایک آزمودہ سبق بن گیا، ملک بھر میں اس کی نقل کی تحریکیں چل پڑیں، یوپی کے الیکشن میں اس کا اثر گرچہ نہ دکھا، ممکن تھا کہ اگلے زمانے میں مفید تر ثابت ہوگا، مگر صد حیف کہ لالو پرساد کے فرزند اور بہار کے نائب وزیر اعلیٰ کے خلاف تحقیقات کی آندھی کیا چلی، بہار کی سیاست طوفان کی نذر ہوگئی، نتیش کمار نے یہ کہہ کر استعفیٰ دے دیا کہ بدعنوانی کے ملزم کے ساتھ کام کرنے کا مزہ ہی کیا، لیکن سیاست کی گرگٹ نے پھر رنگ بدلا اور اگلے ہی دن بھاجپا کے ساتھ مل کر این ڈی اے کی حکومت بن گئی، وزیر اعلیٰ ایک بار پھر نتیش بنے اور نائب وزیر اعلیٰ سشیل مودی، جن پر خود بدعنوانیوں کے الزامات ہیں، سیاست اسی طرح رنگ بدلتی رہی تو عوام کے مسائل گھٹیں گے کیا، بڑھیں گے، ان کا اعتماد نہ صرف یہ کہ مجروح ہوگا بلکہ انہیں سخت ٹھیس بھی پہونچے گی، بہار میں جو کچھ ہوا، اس سے وہاں کے ساکنان سخت صدمے میں ہیں اور خود کو فریب خوردہ محسوس کر رہے ہیں، اب تو نتیش کی پارٹی بھی خیموں میں بٹ چکی ہے، ناراض شرد یادو تیکھے تبصرے کر رہے ہیں، راجیہ سبھا سے ان کی لیڈری جا چکی ہے، آئے دن نتیش اور شرد یادو کی جنگیں ہیں، خطرہ اس کا ہے کہ پارٹی سے ان کی رکنیت بھی معطل کر دی جائے، اگر ایسا ہوا تو اپوزیشن کا ضعف مزید بڑھتا جائے گا، جو جمہوریت کے لئے زہر ہلاہل ہی ثابت ہوگا۔

٭٭٭

(بقیہ: یہودیت — ایک مطالعہ.......... کا)

ایک غلط حرکت جو اسرائیل کے ساتھ کی جائے تو ناجائز ہوتی لیکن وہی حرکت اگر غیر اسرائیلی کے ساتھ کی جاتی تو جائز کہلاتی۔ اسرائیلی سے سود لینا نادرست لیکن غیر اسرائیلی سے لینا بالکل درست ہوتا۔ مذہب کے مقابلہ میں وہ اس قدر دلیر اور بے خوف تھے کہ حسب ضرورت حلت وحرمت کے احکام میں بھی تبدیلی کر دیتے تھے اور خود شارع بن کر خود ہی فیصلے کر لیتے تھے۔ سچائی پر پردے ڈالا کرتے تھے اور حق باطل کو خلط ملط کر دیتے تھے۔

دنیا میں کسی اور قوم کی تاریخ اتنی طویل ہوگی جتنی قوم یہود کی تاریخ طویل ہے، اور شاید ہی کوئی تاریخ ہوگی جس کا ہر ورق اس طرح عبرت کا مرقع ہوگا جس طرح اس تاریخ کا ہر ورق، جس کی نہایت حکماء صیہون کے ''پروٹوکول'' ہے اور ابتدا جس کی مکروفریب نافرمانی اور قتل انبیاء سے ہوتی ہے۔ یہ وہ قوم ہے جو دنیا میں امامت وسیادت کے منصب پر سرفراز کی گئی تھی، جس میں تسلسل کے ساتھ پیغمبر مبعوث کئے گئے لیکن اس نے ان عظیم الشان نعمتوں کی قدر نہ کی اور خدا کے غضب کا نشانہ بن گئی۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور حاشیہ آثار السنن

مولانا محمد ذیشان صدیق صاحب
جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی

امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں، جو چودھویں صدی ہجری میں زہد وتقویٰ، علوم کی جامعیت، گہرائی وگیرائی، فنون قدیمہ وجدیدہ کی معرفت میں متقدمین اہل علم کی زندہ وتابندہ مثال تھے، جو لوگ حضرت امام العصر کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور انہیں علوم انوری کو حاصل کرنے کا موقع ملا ان میں سے کوئی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا تعارف کیسے ہی بلند توصیفی کلمات سے کیوں نہ کرے دوسرے مستفیدینِ شاہ صاحب کے ہاں کما حقہ ثناء میں کمی کے عیب سے مبرا نہیں ہوسکتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت والا کے بعض معاصرین وخوشہ چینوں کو یہ کہنا پڑا کہ ''لم تری العیون مثله ولا یریٰ مثله'' غرض یہ ہے کہ نہ تو حضرت کشمیری رحمہ اللہ کے محاسن کا احصاء راقم کی وسعت میں ہے اور نہ ہی اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش ہے۔ یہاں تو آثار السنن پر آپ کے تالیف کردہ حواشی مسمّٰی ''الاتحاف لمذہب الاحناف'' سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے حواشی پر گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تصنیف وتالیف سے موصوف کے رشتے کے متعلق شامی محدث شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کا جامع بیان پیش کردیا جائے تا کہ حواشی کے بارے میں آئندہ ذکر کی جانے والی تفصیلات کو بآسانی سمجھا جاسکے، شیخ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لم یعزم الشیخ رحمه الله تعالیٰ أن یؤلف رسالة او کتاباً تالیفا مقصوداً، وانما جل مؤلفاته امال اخذت عنه او نصوص وتقییدات افردها بعنوانٍ، ولو أنه عکف علی التالیف لسالت بطحاء العالم بعلومه وتحقیقاته، ولانارت انواره اللامعة ارجاء دنیا العلم علی سعتها وکثرة اهل الفضل المتقدمین فیها، وانما الف بدافع الضرورة الدینیة والخدمة الاسلامیة عدة

رسائل سنذكرها في عداد مؤلفاته غير أنه كان من ريعان عمره عاكفا على جمع الأوابد وقيد الشوارد في برنامجته وتذكرته وكان بذل وسعه في حل المشكلات التي لم تنحل من أكابر المحقق قبله، وكان كلما سنح لخاطره الشريف شئى من حل تلك المعضلات احال إليه برمز الصفحة ان كان مطبوعاً، وقد اجتمعت عنده في تذكرته ذخائر ونفائس زاخرة لحل كثير من المعضلات العلمية وألف رسائل في بعض مهمات الحديث الشريف من المسائل الخلافية بين المذاهب ملتقطا لها من ذخائر تذكرته بإصرار وإلحاحٍ من تلامذته وأصحابه ومستفيديه ذبا عن حريم المذهب الحنفي، ودفعا لطعن الحساد والجاهلين، وهذه الرسائل المذهبية كانت دررا مبعثرة في تذكرته رتبها بعض ترتيب على شكل تأليف، ولهذا تراها مشحونة بالإحالة على الكتب من غير سرد لجميع عباراتها، ولو رتبت رسائله تلك على عادة مؤلفي العصر الحاضر أو على عادة المولعين بالبسط والتفصيل لصارت كل رسالة منها أضعاف ما هي عليه (مقدمة التصريح بما تواتر في نزول المسيح، ص۲۸،۲۷،ناشر جمعیت تحفظ ختم نبوت، پاکستان)

ترجمہ: حضرت شیخ (کشمیری) رحمہ اللہ نے کسی کتاب یا رسالہ کی تالیف از خود قصداً نہیں کی، آپ کی تمام مولفات یا تو امالی ہیں جو آپ سے منقول ہیں، یا وہ عبارتیں وتنبیہات ہیں جنہیں خود حضرت شاہ صاحب نے کسی عنوان کے تحت جمع فرمایا ہے، اگر تالیف کتب کی جانب خصوصی توجہ فرماتے تو ارض عالم ان کے علوم وتحقیقات سے بہہ پڑتی، اور آپ کے انوارات دنیائے علم کو باوجود اپنی وسعت اور متقدمین اہل فضل کی کثرت کے منور بنا دیتے، البتہ گنے چنے چند رسائل دینی واسلامی ضرورت کے پیش نظر تصنیف فرمائے ہیں، جن کا ہم آئندہ ان کی تصنیفات کے ذیل میں تذکرہ کریں گے۔

البتہ زمانہ شباب ہی سے حضرت رحمہ اللہ کا یہ معمول تھا کہ (دوران مطالعہ) جو بھی نادر وقیمتی بات سامنے آتی اسے اپنی خصوصی ڈائری میں درج فرما دیتے اور اس بات کی پوری کوشش رہتی کہ ان علمی مشکلات کا حل نکالا جائے جو کہ حضرت والا سے قبل اکابر محققین سے بھی حل نہ ہوئیں اور ان مشکلات کے حل کے سلسلے میں جو توجیہ بھی ذہن میں آتی اسے قید تحریر میں لے آتے، اور اگر دوران مطالعہ کوئی اس قسم کی بات سامنے آجاتی تو اگر وہ کتاب مطبوعہ ہوتی تو صفحہ نمبر کے ساتھ اسے نقل فرما دیتے۔ اس طرح حضرت رحمہ اللہ کی ڈائری میں بہت سی علمی مشکلات کو حل کرنے کے لئے نہایت قیمتی ذخیرہ جمع ہو گیا، اور حنفی مذہب کے دفاع اور حاسدین وجہلاء کے اعتراضات کے ازالے کے لئے بعض بعض شاگردوں ومستفیدین کے

شدید اصرار پر اپنی ذاتی ڈائری سے ان فوائد کو منتخب کر کے اہم اختلافی فروعی مسائل کے بارے میں چند رسائل تالیف کئے، یہ قیمتی رسائل حضرت کی ڈائری میں بکھرے ہوئے موتیوں کی مانند تھے جسے آپ نے کچھ مرتب کر کے تالیف کی شکل دیدی، اسی وجہ سے آپ اس میں کتابوں کے حوالے بغیر پوری عبارت کے نقل کئے بکثرت پائیں گے اور اگر یہ رسائل عصر حاضر کے مولفین یا بسط وتفصیل کے دلدادوں کے مزاج کے موافق مرتب کئے جائیں تو ان میں سے ہر ایک موجودہ شکل سے کئی گنا بڑھ جائے۔

شیخ ابوغدہ کا مذکورہ بالا بیان جہاں حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی تصنیف وتالیف کے ساتھ وابستگی کی خوب عکاسی کرتا ہے وہیں حضرت رحمہ اللہ کے رسائل وحواشی نادرہ کی قیمت وعظمت کو بھی واضح کرتا ہے، حقیقت یہی ہے کہ حضرت والا کے جملہ رسائل وتعلیقات گنجینہ علوم ومعارف ہیں جو اپنے اختصار وجامعیت کی بناء پر معلومات وتحقیقات کا ایک ایسا بحر بیکراں ہیں جس سے کما حقہ استفادہ وہی مرد میداں کر سکے گا جو کہ ہر موضوع پر بحث میں مولف کے ساتھ علم کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ زنی کی صلاحیت رکھتا ہو اور ہر اشارہ، کنایہ واجمال کو بآسانی سمجھ سکے جو مختصر وجامع کلام کا گویا ایک خاصہ لازمہ ہے۔

بہر حال موضوع سخن تو حضرت علامہ کے حواشی آثار السنن تھے جو اپنے گوناگوں امتیازات کی بناء پر آپ کے تمام حواشی وتعلیقات میں خاص مقام کے حامل ہیں۔

حواشی آثار السنن ارباب علم وفن کی نگاہ میں

۱- محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ حواشی آثار السنن کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

فلما طبع الكتاب اخذ الشيخ يطالعه، ويزيد عليه من ادلة وابحاث وفوائد وغرر نقول ما يساوى بعضها رحلة، ويقيدها على هامشه وطرره وبين اسطره بكل باب ما يلائمه، وكلما مر عليه شئى له صلة بالموضوع في مطالعته قيده هناك اما بنقل عبارة أو برمز صفحة مرقومة ان كان الكتاب مطبوعاً، او نقل لفظه إن كان مخطوطاً، فتارة بعبارة وتارة باشارة، ـاو بداله شئى من تاييد وترديد قيده هناك، حتى اصبحت صفحة الكتاب كالوشى الدقيق، فجاءت فيها نفائس من افكاره، وبدائع من غرر نقول بكل باب، وكنت قد اشتغلت برهة بتخريج تلك الحوالات، واستخراج تلك العبارات بامره رحمه الله فكانت صفحة واحدة من الكتاب تخريجه يملأ عدة اوراق، وكان رحمه الله يتمنّى ان لو طبع تلك التخريجات لنفعت أهل العلم.

(ترجمہ)''جب کتاب (آثار السنن) کی طباعت مکمل ہوئی تو حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے اس کا مطالعہ شروع کیا اور اس پر مزید دلائل، ابحاث، نکات، فوائد اور بہت سی قیمتی معلومات کا اضافہ کیا جن میں سے بعض کو اگر سفر کر کے حاصل کیا جاتا تو بے جا نہ ہوتا، اور (آپ کا اسلوب یہ رہا) کہ ہر باب کے مناسب جو بھی مفید باتیں ہوتیں انہیں کتاب کے حاشیہ، اوپر (یا نیچے) بین السطور میں لکھ لیتے اور دوران مطالعہ موضوع سے متعلق جو بات بھی حوالہ بقید صفحہ لکھ لیتے، اور اگر وہ کتاب چھپی ہوئی نہ ہوتی تو الفاظ لکھنے کا اہتمام فرماتے کبھی صراحتاً اور کبھی اشارۃً یہاں تک کہ اب صفحہ کتاب (خوبصورت) باریک نقش کی مانند معلوم ہوتا اس طرح ان حواشی میں ان کی نفیس وعمدہ آراء اور ہر باب کے مناسب عمدہ ونادر معلومات جمع ہوگئیں۔ کچھ عرصہ حضرت رحمہ اللہ کے حکم سے ان عبارتوں وحوالوں کی تخریج میں مصروف رہا (حوالوں کی کثرت کی بناء پر) ایک ایک صفحہ کی تخریج کئی کئی اوراق پر محیط ہوتی۔ آپ کی یہ خواہش تھی کہ اگر ان حوالوں کی تخریج کر کے اسے شائع کیا جائے تو اس سے اہل علم کو خاطر خواہ نفع ہوگا۔''

۲- شامی محدث شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ حضرت امام العصر رحمہ اللہ کی تالیفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الاتحاف لمذهب الاحناف: وهو حواش وتعليقات نافعة ماتعة جامعة علقها الشيخ الكشميرى على كتاب ''آثار السنن'' لعصيريه المحدث المحقق النيموى رحمهما الله تعالىٰ، ولقد احسن ''المجلس العلمى'' صنعا بتصوير نسخة الشيخ من كتاب ''آثار السنن'' المطبوعة فى مجلدين التى ملاء الشيخ بخطه الجميل حواشيها وبياضها التي بين السطور علما ثمينا واحالات كثيرة غنية بالتحقيق، وقد سميت هذه التعليقات والحواشى عند ما صورت بعد وفاته ''الاتحاف لمذهب الأحناف'' قلت تخريج حوالاتها وتبويبها وتنسيقها دين ثقيل فى عنق اصحاب الشيخ وتلامذته الافاضل، لا تبرأ ذمتهم الا بانجازه (مقدمة التصريح، ص: ۳۱، ۳۰)

ترجمہ: ''الاتحاف لمذہب الاحناف: یہ نہایت مفید وجامع تعلیقات ہیں جو کہ حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے اپنے ہم عصر محدث، محقق نیموی رحمہ اللہ کی کتاب آثار السنن پر تحریر کئے ہیں، مجلس علمی نے حضرت شیخ کے آثار السنن کی دو جلدوں میں مطبوعہ نسخہ کا فوٹو کرا کے اچھا (اور مفید) کام کیا ہے جسے آپ نے بین السطور حواشی لکھ کر قابل قدر و محقق معلومات اور بہت سے حوالوں سے بھر دیا ہے اور حضرت کی وفات کے بعد ان حواشی وتعلیقات کا جب فوٹو لیا گیا تو ''الاتحاف لمذہب الاحناف'' نام رکھا گیا۔ میں کہتا ہوں اس

کے حوالوں کی تخریج اور اس کی تبویب وتنسیق کا کام حضرت شیخ رحمہ اللہ کے تلامذہ کی گردنوں میں ایک بھاری قرض ہے جس کی ادائیگی کے سوا وہ عہدہ برآنہیں ہوسکتے۔

حواشی آثار السنن میں حضرت کشمیری کا اسلوب

سابقہ عنوان کے تحت حضرت بنوری رحمہ اللہ کے بیان سے ان حواشی کے طرز و اسلوب کی بھی کافی راہنمائی ملتی ہے، مزید وضاحت کے لئے عرض ہے:

۱-حضرت امام کشمیری رحمہ اللہ نے اپنی تعلیقات میں علامہ نیموی رحمہ اللہ کے مذاق کو ملحوظ رکھا ہے اور انہیں معلومات کا اضافہ کیا ہے، جو مولف نیموی رحمہ اللہ کے طرز و اسلوب کے موافق تھیں، چنانچہ استاذ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم صاحب چشتی دامت برکاتہم العالیہ اپنے وقیع مقالے بعنوان ''امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری'' میں رقم طراز ہیں:

''یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات اور اضافہ معلومات کا دائرہ محدث نیموی کے مذاق تک محدود رہا ہے، موصوف نے متون حدیث، اسناد رجال اور جرح وتعدیل سے متعلق وہی تحقیقات پیش کی ہیں جو محدث نیموی کے مذاق کے مطابق تھیں، فقہ حدیث کی بحثیں، حقائق، معارف، اسرار بلاغت اور توجیہات حدیث سے بہت ہی کم اعتناء کیا ہے، پھر بھی یہ اضافہ اصل سے دوگنا تگنا ہوگیا ہے۔''

۲-شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے تصنیف وتالیف کو مستقل مشغلہ نہیں بنایا بلکہ دوران مطالعہ جو قیمتی بات سامنے آتی، اپنے پاس محفوظ کرلیا پھر شاگردوں کے اصرار پر ان میں سے کچھ محفوظات کو کسی خاص عنوان کے تحت جمع بھی فرمایا مگر ان میں بھی حضرت رحمہ اللہ کا طرز و اسلوب یہ رہتا کہ زیر بحث موضوع سے متعلق بکثرت حوالہ جات پیش کرتے اور محولہ مقامات کی عبارات کو پیش کرنے کا اہتمام کچھ زیادہ نہ ہوتا، اس کی وجہ چاہے اختصار کا ملحوظ رکھنا ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور بات پیش نظر ہو بہر حال اس طرز عمل سے نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت والا کی تالیفات سے دو قسم کے افراد ہی صحیح مستفید ہوسکیں گے (۱) وہ شخص جو حضرت امام العصر کی مانند جامع علوم وفنون ہو کہ اس کے ہاں بھی محولہ مقامات کی عبارات موصوف کی طرح مستحضر ہوں اور ہر اشارہ، کنایہ واجمال کو بخوبی سمجھ سکتا ہو ایسا شخص تو کما حقہ فائدہ اٹھائے گا۔ (۲) وہ شخص جو دوران مطالعہ محولہ مقامات کو خود ساتھ ساتھ دیکھتا رہے یہ اگرچہ کما حقہ مستفید تو نہ ہوگا لیکن اکثر کلام کو سمجھنے میں آسانی پائے گا، یہی حال حواشی آثار السنن کا بھی ہے کہ ان سے بھی صحیح استفادہ کی یہی صورت ہے۔

۳- علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے حواشی میں ایک خصوصی عنصر آپ کے تعقبات ہیں جو کہ مختلف ابواب میں جا بجا ائمہ فن کی تحقیقات سے متعلق ہیں، جن میں فقط ابواب الوتر سے ابواب الجنائز تک تعقبات کی تعداد ۱۹ ر ہے جن میں اکثر حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تحقیقات پر ہیں۔

۴- ایک طرف تو علم وتحقیق کا یہ عالم ہے، دوسری جانب علمی دیانت اس قدر ملحوظ ہے کہ اگر کسی راوی یا روایت یا کسی صاحب فن کی بات کا سراغ نہ ملا تو اس کا اظہار کرنے میں بھی کچھ عار مانع نہ ہوا، ان حواشی میں ابواب الوتر سے ابواب الجنائز تک ایسی جگہیں جہاں حضرت امام العصر نے کسی بات کے سند ملنے کا تذکرہ کیا ۲۳ ہیں، جن میں سے اکثر کا تعلق انہیں سابقہ تین باتوں سے ہے۔

۵- حضرت علامہ کے یہ حواشی اگرچہ حنفی کی جامع ومختصر کتاب آثار السنن سے متعلق ہیں، مگر حوالہ جات کے دیکھنے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کے مراجع وماٰخذ صرف علوم حدیث تک محدود نہیں بلکہ کتب صرف، نحو، لغت، فقہ ائمہ اربعہ، تفسیر، اصول تفسیر کے حوالے بھی بکثرت اس میں موجود ہیں۔

۶- ہر فن کی کتب میں سے اگر امہات کتب میسر ہوں تو ان کا حوالہ دیتے ہیں اگر کسی وجہ سے امہات تک رسائی نہ ہو تو ثانوی کتب کا حوالہ بھی ذکر کر دیتے ہیں اور کہیں کسی ضرورت کے تحت امہات کتب کے ہوتے ہوئی بھی ثانوی کتب کا حوالہ پیش کر دیتے ہیں۔

۷- کتاب کا موضوع چونکہ علوم حدیث سے متعلق ہے اس لئے اس موضوع سے متعلقہ حوالہ جات کے بارے قدرے تفصیل عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

۱- کتب حدیث میں صحاح ستہ کے علاوہ موطا مالک ومحمد، سنن دارمی، معجم صغیر طبرانی، مسند بزاز، کتاب الآثار، مسند احمد، سنن دارقطنی، الادب المفرد، شرح معانی الآثار، مصنف ابن ابی شیبہ، مراسیل ابی داؤد، مسند ابی داؤد طیالسی، سنن کبریٰ للبیہقی، مستدرک حاکم، مجمع الزوائد، کنز العمال، منتخب کنز العمال اور دیگر بہت سی کتب حدیث کے حوالے بکثرت پائے جاتے ہیں۔

فائدہ: مذکورہ بالا کتب کے نام ہی محدث کشمیری رحمہ اللہ کے متون حدیث سے گہری وابستگی کے شاہد عدل ہیں۔

۲- کتب تخریج میں سے عموماً نصب الرایہ اور التلخیص الحبیر کا حوالہ نقل کرتے ہیں اور کہیں الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ بھی پیش نظر رہتی ہے۔

۳- شروحات حدیث میں سے اکثر فتح الباری، عمدۃ القاری، عارضۃ الاحوذی، المنتقی شرح الموطا للباجی، شرح الزرقانی علی الموطا، نیل الاوطار، اور کہیں ارشاد الساری، مرقاۃ الصعود للسیوطی، اکمال المعلم شرح مسلم، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، لمعات التنقیح کا بھی ذکر ملتا ہے۔

۴-غریب الحدیث میں زیادہ تر اعتماد ابن الاثیر رحمہ اللہ کی النہایہ پر ہی رہتا ہے۔اس کے علاوہ اس باب میں کتب لغت جن میں بسا اوقات تاج العروس شرح القاموس، اور کبھی المز ہر وغیرہ کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔

۵-کتب رجال میں حضرت رحمہ اللہ کے حوالہ جات پر گفتگو سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان پاک وہند کے رجال کا اس علم سے اعتناء کس قدر رہا ہے اس کے متعلق کچھ عرض کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

ہندو پاک میں خصوصاً قرون متاخرہ میں علوم حدیث کے بڑے رجال کار پیدا ہوئے، جنہوں نے امہات کتب حدیث کی اعلیٰ پیمانے پر خدمات انجام دیں، جن میں خاص طور پر شروحات حدیث وحواشی تو ایسے لکھ ڈالے کہ حدیث کی توجیہ وتاویل میں متاخرین تو کجا متقدمین میں بھی خال خال ہی اس کی مثال نظر آتی ہے۔

لیکن دوسری طرف علم رجال سے اس کرہ کی بے اعتنائی بھی کچھ پوشیدہ نہیں، معدودے چند افراد کے علاوہ اس موضوع سے بحث کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا، انہیں خاصان خدا میں حضرت شاہ صاحب کی ذات گرامی بھی ہے، جنہیں علوم حدیث کی دیگر شاخوں کی طرح اس علم میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی۔

حواشی آثار السنن میں علم رجال سے متعلق حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے درج کردہ حوالوں کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں۔

۱-پہلی قسم میں وہ حوالہ جات شامل ہیں جن میں موصوف علم رجال کی کسی کتاب کا حوالہ ذکر فرمائیں، ان میں عام طور پر التاریخ الصغیر للبخاری، الثقات لابن حبان، تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال، لسان المیزان، تعجیل المنفعہ، تہذیب التہذیب سے اعتناء رہتا ہے اور کہیں طبقات ابن سعد، طبقات الشافعیہ، تقریب التہذیب وغیرہ سے بھی حوالہ رقم فرمادیتے ہیں۔

۲-دوسری قسم میں وہ حوالہ جات شامل ہیں جو رجال کی کسی کتاب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اگر ان کو استنباط واستخراج سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس کی مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ کسی معین راوی کی توثیق کے لئے کبھی تو یوں فرماتے ہیں کہ اس راوی سے صحیح البخاری یا صحیح مسلم میں فلاں فلاں روایت فلاں فلاں صفحہ پر درج ہے جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ چونکہ صحیحین کی صحت بالاتفاق تسلیم کی جاتی ہے اس لئے کسی راوی کا ان میں ہونا گویا اعلیٰ درجہ کی توثیق وتعدیل ہے۔

اور کبھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مثلا امام ترمذی کا حوالہ پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اس راوی کی روایت کی تصحیح یا تحسین فرمائی ہے۔اور گاہے شروحات حدیث میں مذکور کسی امام فن کی اس راوی سے منقول روایت کی تصحیح یا تحسین کا حوالہ درج فرماتے ہیں۔

۸-اصول حدیث میں فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث اور تدریب الراوی کا اہتمام زیادہ رہتا ہے۔

۹-اجزاء حدیثیہ میں جزء رفع الیدین، جزء القراءۃ خلف الامام للبخاری، القول البدیع للسخاوی، رسالۃ الاہدل فی الدعاء کے حوالے لحظہ بلحظہ نقل فرماتے ہیں۔

۱۰-حواشی میں حاشیہ دارقطنی مؤلفہ مولانا شمس الحق عظیم آبادی، **التعلیق الممجد**، حاشیہ حصن حصین مولفہ علامہ لکھنوی، کے حوالے جابجا ذکر فرماتے ہیں۔

۱۱-راویان حدیث کی کنیتوں سے متعلقہ کتب میں الکنی والاسماء للدولابی کا اکثر تذکرہ ملتا ہے۔

۱۲-تراجم صحابہ میں اسد الغابہ اور الاصابہ سے زیادہ اعتناء رہتا ہے۔

سطور بالا میں اپنے تئیں ان حواشی کی قدر و قیمت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، یہ سطور اگرچہ ان کی اہمیت واضح کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں، ان حواشی کے لئے یہی کافی ہے کہ ان کی نسبت جس امام ہمام کی ذات گرامی سے ہے وہ اپنے کلام وتحقیقات کی قدر ومنزلت کو جہانِ علم وتحقیق میں منوا چکے ہیں، اس کے لئے ہم ایسے طالب علموں کی موشگافیوں کی چنداں ضرورت نہیں۔

بہر حال ان حواشی کی قیمت وعظمت اپنی جگہ مگر اس کے باوجود آج تک یہ گنجینہ علوم وتحقیقات زاویہ خمول میں ہیں، مادر علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کی مجلس تعلیمی نے حضرت امام العصر کے اس علمی قرض سے سبکدوش ہونے کا فیصلہ کیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم علمی ودینی تحقیقی خدمت کے ارادے میں جامعہ کی مدد فرمائے جس سے ایک طرف تو علم حدیث کی گراں قدر خدمت ہوگی اور دوسری طرف حنفی مذہب کے برگ وبار کی نئی تحقیقات کے ساتھ آبیاری ہوگی۔

قسط (۴)

ذلک الکتاب

فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد محمد انظر شاہ کشمیریؒ

بانی جامعہ ھذا

وبعد فان اعظم العلوم مقداراً وارفعها شرفاً ومناراً علم التفسیر الذی ھو رئیس العلوم الدینیة وراسھا ومبنی قواعد الشرع واساسھا۔

ترجمہ: بعد الحمد والصلاۃ (معلوم ہونا چاہئے) کہ علوم میں سب سے عظیم المرتبت اور سب سے زیادہ مکرم اور منور علم تفسیر ہے کہ یہی علوم دینیہ کی اساس بلکہ اصل اصول ہے اور جملہ شرعی قواعد واحکام کی بنیاد وزمین ہے۔

تشریح: بعد اس کے بعد مضاف الیہ محذوف ہے، مکمل عبارت **بعد الحمد والصلاۃ** ہے۔ فانّ پر فا یا تو اس لئے ہے کہ مصنف ''بعد'' کے لفظ امّا کو مقدر جان رہا ہے یا اس لئے کہ کلام میں اما مقدر تھا، جسے حذف کردیا گیا اور ''واؤ'' اس ہی کے عوض میں لایا گیا، مصنف نے اپنی عبارت میں علم تفسیر کو بنیادی علم قرار دے کر اس کے شرف واعزاز کا اعلان کیا، اس کی چار وجہیں ہوسکتی ہیں، تفصیل یہ ہے کہ:

(۱) کبھی کوئی علم اپنے موضوع کے اعتبار سے بھی بلند رتبہ ٹھہرتا ہے اس حیثیت سے اگر غور کیا جائے تو علم تفسیر کا موضوع خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور جس طرح خدا سے بڑھ کر کوئی نہیں ایسے ہی اس کے کلام سے اعلیٰ واشرف کوئی کلام نہیں، مشہور ہے کہ **كلام الملوك ملوك الكلام** یعنی بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے، آج بھی آپ دیکھتے ہیں کہ صدر جمہوریہ یا وزیر اعظم کا کلام عوام نہیں بلکہ خواص کے کلام سے بھی ممتاز سمجھا جاتا ہے۔ **ثم ما ظنك بكلام الله تعالیٰ** ؟؟ اور یہی قرآنِ مجید جو خدا تعالیٰ کے کلام کا مجموعہ ہے حکمتوں کا سمندر، علوم کا بحرِ ذخار، اور معارف کا ہمالہ ہے پھر جس علم کا موضوع کلامِ باری تعالیٰ ہوا سے اعظم العلوم قرار دینا بالکل صحیح ہے، نیز:

(۲) کسی علم کی ترجیح معلومات کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے، اگر آپ اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیں تو ایک مفسر کی تمام جدوجہد کا رخ خدا تعالیٰ کی مراد ومنشاء کو معلوم کرنے کی جانب ہے، یہ کوشش بجائے خود کتنی

حسین وزیبا ہے کہ زید وعمرو نہیں بلکہ خدائے غالب کی مرادِ کلام کو معلوم کیا جارہا ہے۔ اور کتنے مبارک ہیں وہ اشخاص جنہوں نے حضرتِ حق جل مجدہ کے منشاء کو معلوم کرنے کے لئے اپنی گراں قدر زندگیاں صرف کردیں پھر یہ بھی دیکھئے کہ:

(۳) علم تفسیر اپنے مفاد کے اعتبار سے بھی کس درجہ قابل قدر ہے، چونکہ علوم قرآنی کا طالب علم قرآن سے اس سعادتِ ابدی کو حاصل کرنا چاہتا ہے جو انسانی زندگی کی معراج ہے جس سے اعلیٰ کوئی مقصد نہیں، یومِ آخرت میں سعداء میں اس کا شمار اور حصولِ رضائے الٰہی اس کی ہر تگ ودو کا نتیجہ ہے **قال الرومی وقد قیل فی شان کلامہ ای المثنوی** ع

ہست قرآن در زبانِ پہلوی

فقال ھو ؎

جانِ جملہ علمہا این است واین
تابدانی من کیم در یوم دین

اور آپ اسے بھی نظر انداز نہیں کرسکتے کہ:

(۴) علوم واشیاء کی گراں قیمتی ان کی جانب ضرورت وعدم ضرورت کی شدت سے بھی نمایاں ہوتی ہے، اسے یوں سمجھئے کہ ایک شخص پیسہ کے لئے دوڑ دھوپ کررہا ہے اور دوسرا ایک لاکھ کے لئے ایک کسی آفس میں معمولی کلرکی کے لئے جدوجہد کررہا ہے اور تیسرا کسی ملک کی وزارتِ عظمی کے لئے تیز گامی دکھارہا ہے کیا یہ سب برابر ہیں؟ ہرگز نہیں۔

پس جب قرآن مجید یعنی کلام اللہ دینی ودنیاوی کمالات کا سرچشمہ اور آجل وعاجل سعادتوں کا منبع ہے اور یہ جملہ سعادتیں شریعت پر عمل پیرا ہونے سے نصیب ہوتی ہیں، اور شریعت مجموعہ علم وعمل ہے اور خود علم شریعت علم کتاب اللہ پر موقوف ہے تو پھر تفسیر کے عظیم المرتبت ہونے میں آپ کو کیا شبہ رہا۔ **ھذا ملخص ما قال الشارحون فی ھذا المقام واوضحت مرامھم علی ما فھمت من کلامھم۔**

ارفعھا الضمیر راجع الی العلوم، المنار معناہ الدلیل۔ منار: وہ چیز جس سے کسی پر دلیل پیش کی جائے۔ یقال **نیر الطریق** راستہ روشن کرنا۔ **المنار** جہاں موذن اذان دیتا ہے گویا کہ اس نے وقتِ صلوٰۃ کو عوام کے لئے روشن کردیا ہے۔

شرعی علوم کے دلائل قرآن میں موجود ہیں اور دلائل مقاصد کی تنویر کرتے ہیں، اسی لئے قاضی صاحب نے علم تفسیر کو علوم کا منارہ قرار دیا، خود قواعد کی بنیادیں دلائل پر ہوتی ہیں، اگر دلیل نہ ہو تو قاعدہ غیر

مدلل رہ جاتا ہے، تو احکام شریعت کے دلائل جن سے ان احکام کی توثیق ہوتی ہے اس قرآن مجید میں موجود ہیں، یہی وہ گوناگوں جہات وصفات ہیں جن پر تفصیلی نظر ڈالنے کے بعد قاضی صاحب کی یہ وضاحت کہ علم تفسیر اساسی علوم میں سے ہے محض ادعاء نہیں بلکہ دعویٰ متضمن بدلیل ہے اور کسی دعویٰ کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے دامن میں مضبوط دلائل رکھتا ہو۔

لا یلیق لتعاطیه و التصدق للتکلم فیه الامن برع فی العلوم الدینیة کلها اصولها و فروعها و فاق فی الصناعات العربیة و الفنون الادبیة بانواعها۔

ترجمہ: علم تفسیر کا حاصل کرنا اور اس فن میں گفتگو اسی کے لئے زیبا ہے جو جملہ علوم دینیہ میں برتر اور فنونِ عربی وادبی میں کامل ہو۔

تشریح: لا ق یلیق باب ضرب، لیاقت مصدر لائق ہونا تعاطی باب تفعل حاصل کرنا ضمیر لا تعاطیه راجع الی علم التفسیر۔ تصدق من تفعل کسی چیز کے حصول کی جدوجہد کرنا، پیچھے پڑ جانا، برع باب فتح مصدر برع فائق ہونا برتر ہونا۔

کلها اصولها فروعها: مرجع الضمائر علوم الدینیة۔ فاق فی الصناعات العربیة و الفنون الادبیة بانواعها۔ فاق مصدر فوق باب نصر برتر ہونا اوپر ہونا تفوق ترجیح حاصل کرنا و دینا۔ صناعات جمع صنعة، فن۔ صانع بنانے والا، صناع بے حد بنانے والا، مصنوع بنائی ہوئی چیز، جمع مصنوعات تصنع بناوٹ کرنا، بننا، بتکلف کسی چیز کو کرنا۔ فنون جمع فن شاخ، جمع افنان، تفنن باب تفعل شاخ در شاخ ہونا، بانواعها ضمیر راجع الی الصناعات العربیة و الفنون الادبیة۔

سابق میں بیان کیا ہے کہ علم تفسیر مہماتِ علوم میں ہے، اس کا تعلق خدا تعالیٰ کے کلام سے ہے، اور کلام باری سے بڑھ کر کوئی دقیق ولطیف کلام نہیں، جس طرح خدا تعالیٰ کی ہستی ہمہ جہت و ہمہ جہات ہے، بلا شبہ اس کے کلام کی بھی یہی شان ہے۔ اب اگر کوئی فن تفسیر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے ان تمام علوم میں دستگاہ ہونی چاہئے جن کا تعلق دینیات، ادبیات اور متعلقہ علوم سے ہو بلکہ یہ عاجز تو کہتا ہے کہ عصری علوم پر بھی نظر کامل ہو، تاکہ ایک مفسر، قرآن کے ان مخفی گوشوں سے بھی نقاب کشائی کر سکتا ہو جن کے انکشاف کے لئے یہی علوم عصریہ کارآمد ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب قرآن کی کتابی حیثیت بلکہ اس کی قانونی وتشریعی حیثیت قیامت تک قائم رہنے والی ہے تو وہ ان گوشوں کی جانب بھی مشیر ہوگا جنہیں عصرِ حاضر کے علوم ہی کھول سکتے ہیں، کتنے ہی قرآن مجید کے مسائل ومعارف ہیں جنہیں ہم آج سائنسی اکتشافات

سے سمجھ اور سمجھا سکتے ہیں، تاریخ کا انبار، جغرافیہ عالم کی تحقیقات، طبی و ڈاکٹری اکتشافات، شہریت، تمدن یہ سب چیزیں اور ان میں واقفیت ایک مفسر کے لئے قدم قدم پر ضروری ہے۔ الہ آباد کا ایک ہندو ڈاکٹر قرآن کی صرف اس ایک آیت کو دیکھ کر ایمان لے آیا، جس میں حمل کے مختلف ادوار، حمل پر گزرنے والے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

اس کا کہنا تھا کہ جنین سے متعلق طبی تحقیقات جہاں تک پہنچی ہیں چودہ سو سال قبل ایک امی ان پر ہرگز مطلع نہیں ہوسکتا، اس لئے یہ بلاشبہ کلامِ الٰہی ہے۔

سیوطیؒ نے اتقان میں ان جملہ علوم وفنون کی تفصیل کی ہے جو ایک مفسر کے لئے ضروری ہیں۔

لطیفہ: علامہ سید سلیمانؒ ندوی کی خدمت میں کراچی کے انگریزی خواں طلبہ کا ایک وفد پہنچا جو کالجی نصاب میں تھوڑی بہت عربی بھی پڑھ لیتے ہیں اور شکایت کی کہ تفسیر قرآن کے لئے آخر عربی خواں ہی کیوں اجارہ دار بن گئے؟ ہم بھی عربی جانتے ہیں اس لئے ہمیں بھی تفسیر کا حق ہونا چاہئے! سید صاحب نے اپنی سنجیدگی ومتانتِ مزاج کے پیش نظر اس جذبہ کی حوصلہ افزائی کی، لیکن آنے والوں کے جہل مرکب سے پردہ اٹھانے کے لئے پوچھا کہ **ادخر** کے حروفِ اصلی کیا ہیں تو سب کا بیک زبان جواب یہ تھا کہ ''دخ ر'' حروفِ اصلی ہیں، سید صاحب نے فرمایا کہ جناب حروف اصلی ''ذ خ ر'' ہیں، جس سے ذخیرہ بنتا ہے، اس میں تعلیلِ صرفی ہوئی ہے، اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ کیا آپ تفسیر قرآن کے اہل ہیں۔

الرثاء: آج اکثر مساجد میں نماز پڑھانے والا امام اردو کے تراجم کی مدد سے تفسیر قرآن کر رہا ہے اور عوام کو یہ تاثر دے رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اس بلیغ ومعجز کلام کا وہ حق ادا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے خدا جانے اس طبقہ نے کہاں سے قرآن کی تفسیر کا حق اپنے لئے محفوظ کرالیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابہ میں جلالتِ شان سے کون انکار کرسکتا ہے، مگر جب آپ سے اَبًّا کا ترجمہ جو سورہ عبس میں آیا ہے پوچھا گیا تو حضرت صدیق کا جواب یہ تھا کہ **ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی إذا قلت فی القرآن مالا اعلم** یعنی کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا اور کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی جب کہ قرآن سے متعلق کوئی ایسی بات کہوں جو میں نہیں جانتا۔ ایک صحابی سالہا سال **کانتا رتقا ففتقناھما** کے معنی معلوم کرنے کے لئے قبائل عرب کی بادیہ پیمائی کرتے رہے، بات لمبی ہوئی جاتی ہے، مگر صورتِ حال کو واضح کرنے کے لئے اتنا اور سن لیجئے کہ ایک اخبار نویس نے مشاہیر عالم سے یہ سوال کیا کہ سب سے بڑا مظلوم کون ہے؟ ہر ایک نے جواب اپنے اپنے ذوق کے مطابق دیا، مشہور شاعر حکیم مشرق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ دنیا میں سب سے بڑا مظلوم قرآن ہے جس کا جو جی چاہتا ہے

قرآن کے بارے میں کہتا ہے **والقصة بطولها**۔

راقم الحروف اس مبحث پر کچھ اور تفصیلات مقدمہ میں سپردِ قلم کرے گا۔ اصول سے مراد کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اصولِ فقہ ہیں اور فروع سے قاضی صاحب نے فقہ اور علم اخلاق کی جانب اشارہ کیا ہے۔

صناعات کی تفصیل یہ ہے کہ علم کا تعلق عمل سے ہوگا یا نہیں، اگر عمل سے کوئی جدا چیز ہے تو اسے علم کہا جائے گا، اور اگر عمل کا پیوند لگا ہوا ہے تو یا کیفیت عمل پر موقوف ہوگا یا اس کے حصول کے لئے نظر و استدلال کافی ہوں گے، اگر نظر و استدلال ہی کارآمد ہوں تو علم اور صنعت دونوں کا اطلاق ممکن ہے اور اگر صرف کیفیتِ عمل پیش نظر ہے تو اسے صنعت کہتے ہیں یہاں صنعت عربیہ سے وہ علوم مراد ہیں جن کا کیفیتِ عمل پر مدار نہیں۔

علم ادب علوم دینیہ میں ایک مشہور فن ہے اور اس کی رسمی تعریف یہ ہے کہ وہ فن جس کے نتیجہ میں آدمی خط، کتابت اور کلام میں غلطیوں سے محفوظ رہے'' یہ علم انسان کو تہذیبِ نفس کی دولت دیتا ہے اسی لئے اسے ادب کہا جاتا ہے اس فن میں ماہر شخصیت ادیب کہلاتی ہے، جمع ادباء، علوم عربیہ بقولِ محققین کل بارہ ہیں: ان میں آٹھ اصول میں شمار ہوتے ہیں۔ اور چار فروع ہیں۔

اصول: لغت، صرف، اشتقاق، نحو، معانی، بیان، عروض، قوافی۔

فروع: خط، قرض الشعر (وہ فن جس کے ذریعہ یہ معلوم کیا جائے کہ شعر کے دونوں مصرعے ہم وزن ہیں یا نہیں؟ خلیل اس فن میں عمودی حیثیت رکھتا ہے جس نے کچھ بحریں متعین کی ہیں جو مصرعین کے وزن کو معلوم کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں مثلاً فارسی کا مصرع ہے:

عیداست ساقی درقدح صہبا زمینا ریختہ

اس کی تقطیع اس طرح ہوگی:

''عیداست سا، مُستَفْعِلُن فی درقدح مُستَفْعِلُن صہبا زمی مُستَفْعِلُن ناریختہ مُستَفْعِلُن۔ مصرعہ ثانی میں بھی چار بار مُستَفْعِلُن آنا چاہئے تو مصرعین کے ہم وزن ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ عربی میں اس میں فن میں محیط الدائرہ نامی ایک کتاب ہے) انشاء، محاضرات۔

قسط اول

سائنس، فلسفہ اور مذہب

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ

قدرت کے مادی کائنات میں جو قواعد وضوابط کارفرما ہیں، جدید دور میں ان کی دریافت کا نام سائنس ہے۔ سائنس لاطینی لفظ ہے جس کا معنی ہے جاننا اور جو قوانین مادہ سے ماوراء امور سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا نام فلسفہ ہے۔ قدیم یونانی فلاسفہ اوّل کو حکمت طبعی یا طبعیات سے تعبیر کرتے تھے اور دوم کو حکمت الٰہیات یا حکمت اعلیٰ کے نام سے نامزد کرتے تھے۔ اور ان دونوں کے علاوہ ریاضی کے تمام اقسام اور اخلاقی، منزلی اور سیاسی مدنی قوانین سب کو فلسفہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

دورِ جدید میں سائنس کے ذرائع علم

عصرِ حاضر میں محسوسات میں فیصلہ کن قوت تجربہ اور استقرا ہے تجربہ اور استقرا اگر تام اور وسیع ہو تو اس کا فیصلہ صحیح ہوتا ہے اور اگر ناقص ہو تو فیصلہ میں غلطی کا امکان ہے۔ مثلاً قدیم تجربات فلاسفہ، یونان اور حکماء یورپ کے یہ تھے کہ زمین ساکن ہے اور جدید تجربات نے یہ ثابت کردیا کہ زمین گردش کرتی ہے جس سے پہلے تجربات غلط ثابت ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سابق تجربات ناقص تھے۔ اس کے علاوہ کبھی موجود تجربے کے خلاف مستقبل میں نیا تجربہ ظہور میں آجاتا ہے۔ جس سے پہلے تجربے کا حکم باطل ہوجاتا ہے۔ مثلاً کسی وقت یہ تجربہ تھا کہ تصاویر سینما غیر متحرک ہیں لیکن اس کے بعد سینما میں تصاویر کے متحرک ہونے کا نیا تجربہ مشاہدے میں آیا جس سے پہلے تجربے کا حکم غلط ثابت ہوا۔ اسی طرح پہلے وقت میں سینما کی تصاویر متحرک تھیں لیکن ناطق نہ تھیں اس وقت تجربہ یہ تھا کہ تصاویر سینما اگرچہ متحرک ہیں۔ لیکن ناطق اور بولنے والی نہیں تھیں۔ لیکن اس کے بعد تجربے نے اس تصاویر کا ناطق ہونا بھی ثابت کیا جس سے پہلا حکم باقی نہیں رہا۔ پھر مادی سائنس کے فیصلے جن احساسات پر مبنی معلوم ہوتے ہیں اور ان کو قطعی اور غیر مشکوک سمجھا جاتا ہے وہ سو فیصدی حسی نہیں۔ محسوسات اگرچہ خارج میں موجود ہیں لیکن ہمارے اندر وہ موجود نہیں بلکہ ہمارے اندر صرف شعوری کیفیات موجود ہیں اور شعور نہ جسم ہے، نہ محسوس، اور نہ محسوس کو اس سے اتصال ہے۔ کیوں کہ اتصال دو جسموں میں پایا جاتا ہے، غیر جسم اور جسم میں نہیں پایا جاتا۔ مزید برآں

محسوس پر حکم لگانا صرف حس کا فیصلہ نہیں بلکہ عقل وفکر کو بھی اس میں دخل ہے۔مثلاً ہم نے آنکھ سے آم کے دانہ کو دیکھا جس کی وجہ سے شعاع بصری اور ہوا کے ٹکراؤ نے دماغی اعصاب کے ذریعہ ہم میں آم کی ایک شعوری کیفیت پیدا کردی۔اس سے قبل ہماری عقل میں دانہ آم کا ایک کلی نقشہ موجود تھا۔ہماری عقل نے اس کلی نقشہ کو محسوس آم کی کیفیت شعوری پر منطبق کیا اور اس انطباق سے یہ حکم لگا کہ یہ آم ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوا کہ محسوسات کے متعلق جس قدر فیصلے صادر ہوتے ہیں۔ان میں عقل کو بھی دخل ہے۔عقل اگر صاف ہو تو ایک حد تک یہ فیصلے صحیح ہوتے ہیں۔لیکن اگر عقل میں تعصب اور وہم کی آمیزش ہو تو حقیقت مبہم ہو جاتی ہے اور فیصلے غلط ہو جاتے ہیں جس کی عمدہ مثال مغربی مستشرقین کی تصنیفات ہیں۔جنہیں وہ اسلام قرآن مجید اور صاحب قرآن کو عقل وبصیرت کی اس عینک سے دیکھتے ہیں جس پر صلیبی جنگوں کا متعصّبانہ غلاف چڑھا ہوا ہے۔اسی عینک کے تحت ان کو اسلام،قرآن شریف اور صاحب قرآن سے متعلق تمام روشن حقائق سیاہ نظر آتے ہیں،اسی صورت میں عقل صحیح فیصلہ نہیں کرسکتی۔

فلسفہ

غیر مادی کائنات جو حواس کے تجربے سے خارج ہے،مثلاً خالق کائنات،صفات باری،روح مابعد الموت کے انسانی احوال،ان کے متعلق صرف عقل و دماغ سے کوئی ضابطہ یا قانون بنانا۔اسی طرح لطیف اشیاء عقائد واعمال واخلاق کے حسن وقبح کے متعلق عقل وفکر کے ذریعہ کوئی فیصلہ کرنا یہ سب فلسفہ کہلاتا ہے۔مذکورہ امور میں عقل محض کے فیصلے حرف آخر نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان میں اکثر تصادم بلکہ تناقض ہوتا ہے۔فلسفہ مشائی فلسفہ اشراقی اور فلسفہ یورپ کے فیصلوں اور قوانین میں باہم تناقض ہے،اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عقلی معلومات کا ماخذ درحقیقت حسی معلومات ہیں اور مذکورہ امور ماوراء الحس سے متعلق ہیں؛ اس لیے عقل جب ان کے متعلق کوئی قانون بنائے گی تو محسوساتی رنگ میں بنائے گی اور نامحسوس کو محسوس پر قیاس کرے گی۔اس لیے ایسے فیصلے میں ضرور غلطی واقع ہوگی۔مثلاً یہ فیصلہ کہ مادہ کائنات ازلی ہے کیوں کہ وہ اگر ازلی نہ ہو تو عدم محض اور خالص نیستی سے وجود میں آیا ہوگا۔اور عدم سے کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی، کیوں کہ پوری کائنات جوہری ذرات (مادہ) سے پیدا ہوتی ہے اور جہاں محسوسات میں کوئی ایسی مثال نہیں کہ کوئی چیز نیست سے ہست ہوئی ہو۔برتن مٹی سے،تلوار لوہے سے،عمارات چونے،سمینٹ، اینٹ،گارا اور لکڑی وغیرہ سے تیار ہوتی ہیں تو مادہ اگر پیدا شدہ ہو اس سے قبل جب کوئی مادہ تھا ہی نہیں تو وہ خالص عدم سے کیسے وجود میں آیا؟ آپ نے دیکھ لیا کہ فلسفہ کا یہ فیصلہ جو عقلی کہلاتا ہے،درحقیقت محسوسات سے ماخوذ ہے یعنی خدائے غیر محسوس کے فعل وعمل کو انسان محسوس کے فعل وعمل پر قیاس کیا گیا کہ انسان چونکہ

نیست سے ہست نہیں کر سکتا لہٰذا خدا بھی ایسا نہیں کر سکتا کہ نیست سے کوئی چیز پیدا کر دے۔ گویا خالق کو مخلوق پر قیاس کیا گیا۔ حالانکہ خالق کائنات بڑی ذات ہے۔ ایک مخلوق کا دوسری مخلوق پر قیاس کرنا غلط ہے۔ ہاتھی جو مخلوق ہے بیس من بوجھ اٹھا سکتا ہے لیکن چیونٹی نہیں اٹھا سکتی۔ اب اگر چیونٹیوں کی کانفرنس پارلیمنٹ یہ فیصلہ کر دے کہ چونکہ ہم بیس من بوجھ نہیں اٹھا سکتے تو ہاتھی بھی نہیں اٹھا سکتا تو یہ فیصلہ قطعاً غلط ہوگا۔ اسی طرح اگر انسان جو خالق کی نسبت اس سے بہت کم ہے جس قدر چیونٹی ہاتھی سے بہت کم ہے یہ فیصلہ کر دے کہ چونکہ ہم انسان نیست سے کوئی چیز ہست نہیں کر سکتے، تو خداوند القدوس بھی نہیں کر سکتا۔ تو یہ فیصلہ غلط ہی ہوگا۔ چیونٹی تو پھر بھی ہاتھی کے ساتھ بہت امور میں شریک ہے۔ دونوں جسم ہیں، دونوں حیوان ہیں۔ لیکن انسان کو تو خدا سے کوئی تناسب نہیں؛ لہٰذا یہ قیاس غلط ہے اور اس قیاس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی ذریعہ علم نہیں اور نہ ہی ایسی لیبارٹری ہے کہ جس میں ہم خدا کی قوت کا تجزیہ و تحلیل کر سکیں۔ اس کے علاوہ ہر حقیقت واقعیہ کے لیے مثال موجود کا مطالبہ ہی سرے سے درست نہیں۔ جارج پنجم کی تاجپوشی کا جشن دہلی میں ہوا لیکن شاہانِ انگلستان میں سے کسی اور بادشاہ کا جشن تاجپوشی دہلی میں نہیں ہوا۔ اب اگر کوئی یہ کہہ دے کہ میں جارج پنجم کی جشن تاجپوشی کا دہلی میں ہونا تسلیم نہیں کرتا۔ جب تک مجھے کوئی اور مثال ایسی پیش نہ کی جاتی کہ انگلستان کے کسی اور بادشاہ کی تاجپوشی بھی دہلی میں ہوئی ہے تو کیا اس مطالبہ مثال سے اصل واقع مشکوک ہو سکتا ہے۔ قطعاً نہیں۔ یہی حال مادے کا ہے۔ مادہ آغاز آفرینش میں عدم سے وجود میں آیا۔ ازاں بعد پوری کائنات مسلسل مادہ کی ترتیب سے پیدا ہوتی چلی گئی۔ لہٰذا نیست سے ہست کا وجود صرف ایک واقعہ ہے اور وہ بھی اجسام عالم کی تخلیق سے، قبل جس وقت نہ انسان تھا نہ دیگر کائنات، مادہ بن چکنے کے بعد جس قدر تخلیقی واقعات ہیں وہ سب ہست سے ہست ہونے کے واقعات ہیں۔ اس لیے جس زمان میں انسان ہے، جب ہو ہست کو ہست ہوتے واقعات کو دیکھتا ہے، ان سے وہ نتیجہ کیوں کر نکال سکتا ہے کہ عالم اجسام کی تخلیق سے قبل آغاز تخلیق مادہ کے وقت بھی نیست سے ہست ہونے کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

اب اگر پھر بھی مادیین میں کوئی اصرار کرے کہ نیست سے ہست ہونے کے واقعہ کا ضرور ہمیں مشاہدہ کرایا جائے تو جواب یہ ہے کہ تم ہم کو اس زمانہ میں لے جاؤ جس زمانہ میں تخلیق اجسام عالم سے پہلے جو ہر مادہ کی تخلیق ہو رہی تھی، ہم مشاہدہ کرانے کے لیے بھی تیار ہیں۔ یہ مطالبہ مشاہدہ اس وقت ایسا ہے کہ کوئی شخص یہ مطالبہ کر دے کہ ہمیں دارا اور سکندر کی جنگ کا مشاہدہ بیسویں صدی میں کرا دو ورنہ ہم نہیں مانتے تو اس کے جواب میں یہ کہنا پڑے گا کہ ہمیں اس زمان و مکان میں پہنچا دو جہاں اور جس وقت یہ جنگ ہوئی

تھی تو مشاہدہ کرادیا جائے گا۔ تاہم اسکندر فرودسی یونانی نے نیست سے ہست ہونے کی صورت پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ علامہ ابن مسکویہ نے اپنی کتاب ''فوز الکبیر'' میں اس کی رائے واضح الفاظ میں نقل کی ہے کہ موم کی شکل اگر گول ہو اور پھر ہم اس میں تصرف کرکے مربع شکل میں تبدیل کردیں تو پہلی شکل وصورت معدوم ہوکر دوسری شکل مربع وجود میں آئی۔ اب ظاہر ہے کہ یہ مربع صورت عدم سے وجود میں آئی۔ پہلی صورت سے نہیں بنی، بلکہ وہ گم ہوگئی تو جب صورت عدم سے وجود میں آسکتی ہے تو مادہ بھی عدم سے وجود میں آسکتا ہے؛ کیوں کہ جوہری، مادہ بسیط اجزاء ہیں، جو ہر حالت میں کوئی نہ کوئی صورت رکھتے ہیں، کوئی مادہ صورت سے جدا نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی صورت مادہ کے بغیر موجود ہوسکتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مادہ اور صورت دونوں آغاز تخلیق میں عدم سے وجود میں آئے، میرے نزدیک مادیین کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے مخلوق بالذات اور مخلوق بالواسطہ میں فرق نہیں کیا۔ تمام مادی اجسام مخلوق بالواسطہ ہیں کہ مادے کے واسطے سے خالق کائنات سے خلق ہوئے ہیں۔ لیکن خود مادہ کسی دوسرے مادے سے مخلوق نہیں ہو۔ بلکہ خالق کائنات نے براہِ راست اس کو خلق کیا، کیوں کہ اگر مادے کے لیے مادہ ضرور ہو تو تسلسل محال لازم آئے گا۔ جو فلسفہ کے لحاظ سے درست نہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً زید بالواسطہ کلام کرتا ہے۔ یعنی زبان کے ذریعہ تکلم اور نطق کرتا ہے۔ لیکن خود زبان بالذات ناطق اور متکلم ہے۔ زبان کے بولنے میں وہ کسی دوسری زبان کی محتاج نہیں بلکہ بالذات ناطق ہے۔ اسی طرح اجسام مادیہ مخلوق ہونے میں مادہ کے محتاج۔ لیکن مادہ مخلوق ہونے میں کسی دوسرے مادے کا محتاج نہیں۔

مذہب

مذہب ان امور سے متعلق ہے جو سائنس اور فلسفہ کے دائرے سے خارج ہیں۔ سائنس کا دائرہ مادیات ہیں اور فلسفہ کی بنیاد ظنیات اور تخمینیات ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ یونانی یا یورپی فلسفہ چونکہ غیر یقینی تھا، اس لیے وہ مذہب کا استعمال نہ کرسکا؛ لیکن سائنس مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہے؛ اس لیے سائنس اور مذہب میں تصادم کی صورت میں مذہب اس کے مقابلے میں نہیں پڑسکتا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ مذہب اور سائنس میں مقابلہ جب ہوتا جب دونوں کا دائرہ عمل ایک ہوتا۔ لیکن مادیات اور ماوراء لمادیات دو مختلف دائرے ہیں، جن میں مقابلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سائنس جن چیزوں کا اثبات یا ابطال کرتی ہے۔ مذہب کو ان سے متعلق سروکار نہیں، عناصر کس قدر ہیں؟ پانی کن چیزوں سے مرکب ہے؟ ہوا کا کیا وزن ہے؟ روشنی کی رفتار کیسی ہے؟ زمین کے کس قدر طبقات ہیں؟ مذہب کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ مذہب جن چیزوں سے بحث کرتا ہے مثلاً یہ کہ خدا ہے اور مرنے کے بعد اور قسم کی زندگی ہے اور نیکی اور بدی ہے اور ان کے نتیجہ ثواب

وعقاب ہیں۔ان میں کون سی چیز ہے، جسے سائنس ہاتھ لگاسکتی ہے؟ سائنس دان اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کوان کا علم نہیں۔ یا یہ کہ یہ چیزیں تجربہ اور مشاہدہ سے باہر ہیں اور ہمیں صرف ان چیزوں کا علم ہوسکتا ہے جو تجربے میں آسکتی ہیں۔لیکن حقیقت ناشناسوں نے عدم علم سے علم عدم سمجھ لیا۔ حالانکہ ان دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔اس میں شک نہیں کہ مذہب کے دائرے میں تمام وہ امور داخل ہیں جو تہذیب النفس وتزکیہ قلب اور اصلاح معاشرہ سے متعلق ہیں۔ یا اجتماعی اور سیاسی زندگی کی اصلاح سے وابستہ ہوں اس بنا پر مذہب کے لیے ضروری ہوا کہ وہ مادیات کے متعلق بھی احکام خیر وشر صادر کردے۔ کہ فلاں فلاں حیوانات کا کھانا جائز ہے اور فلاں فلاں کا ناجائز ہے۔دودھ کا پیا جانا جائز ہے اور شراب کا ناجائز ہے اور سود ناجائز ہے، معاشی نظام کے تحت فلاں صورتیں جائز ہیں اور فلاں ناجائز ہیں۔ جنگ ازالہ ظلم اور اقامت عدل کے لئے جائز اور جہاد ہے اور اس کے خلاف ناجائز ہے۔فرد اور جماعت کی فلاں قسم کی آزادی جائز فلاں ناجائز ہے۔ایسے تمام احکام اور حدود جو مذہب حقیقی نے مقرر کیے ہیں اس سے مقصود اصلاح معاشرہ، تہذیب نفس اور عادلانہ نظام کا قیام ہے۔ یہ معاملہ کہ انسان کے کن افعال سے روح انسانی کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور کن سے فساد کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور کن افعال میں روح کے لیے زہریلے اثرات موجود ہیں اور کن میں تریاقی اثرات، یہ سب امور سائنس کی دسترس سے باہر ہیں۔الکلام شبلی میں یورپ کے سائنس دانوں کے اقراری حوالجات درج ہیں کہ روح اور منشاء حیات انسان کی حقیقت کی دریافت سے چوٹی کے سائنس داں عاجز ہیں۔لہٰذا قدرتی طور پر روح اور روح سے سرزد افعال کی خاصیات کی دریافت خالق روح اور خالق انسان کے دائرہ علم میں داخل چیزیں ہیں جس کا فیصلہ حقیقی مذہب یا الہام ہی کرسکتا ہے۔نہ مادی علوم جس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مادی علوم کے علمبرداروں نے جب بھی اپنے حدود تجاوز کرکے غیبی اور الہامی علوم میں مخالفانہ مداخلت کی تو انسانی معاشرہ ان کی اس مداخلت بے جا سے درہم برہم ہوا۔اور بالآخر حقیقی مذہب کے قوانین کی طرف ان کو مجبوراً جھکنا پڑا۔کیا یہ حقیقت نہیں کہ یورپ نے مادی علوم کی مدہوشی میں مادی علوم کے دائرے سے باہر قدم رکھ کر اسلام پر جو اعتراضات کیے اور جن مسائل کو نشانہ طعن بنایا۔آج تمدنی ضروریات کی وجہ سے خود انہوں نے اپنی یہ غلطی عملاً محسوس نہیں کی، کہ ان کی تمام علمی کاوشیں نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش کردہ خدائی قوانین کے آگے بے وقعت ثابت ہوئے۔ یورپ نے عدل انفرادی واجتماعی کی غرض سے اسلام کے مقدس قانون جہاد پر اعتراض کیا۔لیکن گذشتہ دو جنگوں میں صرف اپنی بات کے پچ کے لیے خون کی ندیاں بہائیں اور کروڑوں مکانات کو خاکستر بنادینے کو عملاً صحیح قرار دیا۔

یعنی یہ ثابت کر دیا کہ ظلم کرنے لیے جنگ جائز اور دفع ظلم کے لیے جہاد ناجائز ہے۔ بوقت شدید ضرورت اسلامی قانون طلاق کا یورپ نے تمسخر اڑایا۔ لیکن فطرت کی گہری ضرورتوں نے ان کو اس قانون کے تسلیم کرانے پر اس قدر آمادہ کیا کہ ضرورت و بے ضرورت سب صورتوں میں طلاق کا سلسلہ یورپ اور امریکہ میں اس قدر بڑھ گیا ہے کہ یورپ میں فی آٹھ نکاح ایک طلاق اور امریکہ میں فی چار نکاح ایک طلاق تک نوبت پہنچی۔ اسلام کے قانون تحریم شراب اور تحریم سود کو یورپ نے مانع ترقی سمجھا۔ لیکن شراب کی ڈاکٹری تحقیقات کے بعد جب شراب کے مہلک اثرات ظاہر ہوئے تو امریکہ نے کروڑوں ڈالر خرچ کر کے ۱۹۳۷ء میں شراب کی بندش کا اعلان کر دیا۔ لیکن جرم و گناہ پھیلانا آسان کام ہے لیکن روکنا مشکل ہے۔ اس لیے امریکہ کے تمام انتظامات بندشِ شراب بے اثر ثابت ہوئے اور شراب نوشی کی چلائی ہوئی گاڑی رک نہ سکی اور امریکہ اس میں ناکام ہوا۔ سود نے جب سرمایہ دارنہ نظام کو جنم دیا اور عوام کی معاشی اور اخلاقی حالت تباہ ہوئی تو محققین یورپ نے اس کی قباحت کا احساس کیا۔ لیکن جو قبیح چیز معاشرے کا جزو بن جائے اس کا ہٹانا حکومت کے بس کی بات نہیں۔ پیغمبر اور نبی کی تعلیم سے ایسا ممکن ہے۔ لیکن حکومت کے قانون سے یہ ممکن نہیں کہ جو برائی معاشرے کی جڑ میں داخل ہو جائے اس کو اکھیڑ کر دور پھینکا جائے۔ اسلامی قانون میں عورتوں پر اصلاح معاشرہ کے لیے بعض فطری پابندیاں اٹھائی گئیں ہیں۔ یورپ نے اس کو دور وحشت و بربریت کی یادگار سمجھا۔ لیکن جب یورپ کی بے لگام آزادی اور صنفی آوارگی نے وہ شکلیں پیدا کیں کہ جن کے اثر سے عائلی زندگی تباہ ہوئی اور بہت سے شوہروں نے عورتوں کی بے لگامی سے تنگ آ کر خودکشی اختیار کی تو ''لڈوسی'' کو اپنی کتاب وومین میں یہ لکھنا پڑا کہ عورتوں کی آزادی سے پیدا شدہ مشکلات کا واحد حل یہ ہے کہ عورت کو دانایانِ شرق (مسلم قوانین) کی نگرانی میں کنٹرول کیا جائے۔

سائنس اور مذہب کی دشمنی کا آغاز کب ہوا؟

یورپ نے عرب اور اندلس کے مسلم سائنس دانوں سے علم حاصل کیا۔ ورنہ اگر مسلمانوں کے ذریعہ یورپ کو سائنس کی روشنی نہ پہنچتی تو اب تک یورپ کی حالت وہی ہوتی، جو افریقہ کی وحشی اقوام کی ہے۔

صنعت، کاغذ

یورپ پر عربوں کا بڑا احسان کاغذ کا رواج ہے، کاغذ کے اصل موجد چینی تھے لیکن باقاعدہ کاغذ سازی کا پہلا کارخانہ مسلمانوں نے ہارون الرشید کے زمانے میں ۷۹۴ء میں بغداد میں قائم کیا۔ اس کے بعد مسلمانوں

نے دیگر بڑے شہروں میں بھی کاغذ سازی کے کارخانے قائم کیے۔ مثلاً دمشق، مصر، نیشا پور، شیراز، خراساں، مراکش، قرطبہ، غرناطہ، سسلی وغیرہ۔ لیبان ''تمدن عرب'' صفحہ ۴۳۸ میں لکھتے ہیں کہ کاغذ پر پہلی لکھی ہوئی تحریر جو ۱۰۰۹ء میں لکھی گئی تھی۔ اور جو اسکوریل کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، یہ کاغذ عربوں سے خریدا گیا تھا۔

قطب نما

قطب نما بھی عربوں کی ایجاد ہے، یہ آلہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے تمام تجارتی اور جنگی جہازوں میں لگا ہوا تھا۔ اسی کا کرشمہ تھا کہ ہمارے جہاز جدہ سے چین تک جاتے تھے جب یہ چیز ہم نے یورپ کو دی تو اس کو لے کر کولمبس بحر الطاتک کی لہروں کو چیرتا ہوا امریکہ جا پہنچا اور واسکوڈے گاما نے ہندوستان دریافت کیا۔

مسلمان صدیوں سے بارود استعمال کرتے تھے۔ سسلی اور سپین کے کارخانوں میں دیگر اسلحہ جنگ کے علاوہ ایک مسالہ بوتلوں میں بھرا جاتا تھا۔ جنہیں مشینوں کے ذریعہ دشمنوں پر پھینکا جاتا تھا۔

توپ

توپ کو سب سے پہلے افریقہ کے سردار یعقوب نے ۱۲۰۵ء میں استعمال کیا۔ یورپ کے مورخ بارود کا موجد راجر بیکن ڈاکٹر کو قرار دیتے ہیں جو غلط ہے۔ بیکن نے بارود سازی ایک عربی کتاب النیر ان المحرقہ جلانے والی گیس سے سیکھی تھی۔ تمدن عرب صفحہ ۴۳۸ لیبان۔

کلاک اور گھڑیاں

ہارون الرشید نے شار لیمان کو ۷۶۸ء میں جو تحائف دیے، ان میں ایک گھڑی بھی تھی۔ جس میں شمس وقمر حرکت کرتے تھے اور طلوع وغروب کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ ہر گھنٹہ پر ٹن ٹن کی آواز آتی تھی۔

ہوائی جہاز

ول ڈیوران ایج آف فیتھ صفحہ ۲۹۸۰ میں لکھتا ہے کہ سپین کے مسلم سائنس دان نے تین چیزیں ایجاد کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ اول عینک کا شیشہ دوم ناپنے والی گھڑی جو کھیلوں اور دوڑوں میں استعمال ہوتی تھی، سوم ایک مشین جو ہوا میں اڑ سکتی تھی۔ اس حکیم کا نام عباس تھا۔

چیچک کا ٹیکہ

چیچک کا ٹیکہ بھی مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ ۱۷۲۰ء میں لیڈی وارٹل مارٹینگ نے قسطنطنیہ جا کر چیچک کا ٹیکہ سیکھا۔ ڈریپر کی میراث عرب صفحہ ۳۴۰۔

بعض کاریگر ایسی قیمتی چیزیں بناتے تھے کہ امراء بھی نہیں خرید سکتے تھے۔ ہارون الرشید کا وزیر اعظم یحییٰ بن مالک برمکی بازار سے گزرا۔ اس کی نظر ایک مرصع صندوقچے پر پڑی۔ اس نے پسند کیا اور خرید نے کا ارادہ کیا، لیکن قسمت پر اتفاق نہ ہوسکا۔ یحییٰ ستر لاکھ درہم دیتا تھا۔ اور دوکاندار زیادہ مانگتا تھا (ایج آف فیتھ ص ۲۰۸)

مہ نخشب

نخشب ترکستان میں ایک گاؤں کا نام تھا، جہاں حکم بن ہاشم نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس نے ایک چاند بنایا تھا۔ جو غروب آفتاب کے بعد فوراً ایک کنویں سے نکلتا تھا، اور تقریباً سو مربع میل علاقہ کو رات بھر منور کرتا تھا، اور طلوع آفتاب سے پہلے ڈوب جاتا تھا۔ اس ایجاد کا کمال یہ تھا کہ کوئی موسم بھی ہو جونہی سورج کا آخری حصہ نہال ہوتا، وہ چاند نکل آتا۔ آدھی رات کو عین سر پر آجاتا اور رفتہ رفتہ اس رفتار سے واپس جاتا کہ اس کا آخری کنارہ کنوئیں میں غائب ہوتو سورج نکل آتا۔ سورج سے کبھی اس کا سامنا نہیں ہوا۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

مطلب یہ ہے کہ دست قضاء یعنی خداوند کریم نے سورج کو حکم دیا کہ مہ نخشب کی طرح نکلو اور ڈوبو اور صورت یہ تھی کہ ابھی وہ حسن و جمال میں میرے محبوب کے برابر نہ ہوا تھا۔ مہ نخشب کا موجد مدعی نبوت بغداد میں ملازم تھا۔ اس نے بعد میں بغداد میں سائنس پڑھی تھی جس کی وجہ سے مہ نخشب ایجاد کیا۔

مسلمانوں کی سائنس کی مہارت کا یہ کمال اس وقت تھا جب یورپ والے کھالیں پہنتے تھے اور جنگلی وحشیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ مسلمانوں نے سائنس میں اتنی ترقی کی تھی کہ انہوں نے ابن الہشیم پیدا کیا کہ جو دوسو کتابوں کے مصنف ہیں اور جس نے بطلیموس اور اقلیدس کے اس نظر رویت کی تردید کی رویت اس شعاع سے ہوتی ہے جو آنکھ سے نکل کر مرئی تک جاتی ہے اور کہا کہ مرئی کا عکس آنکھ تک آتا ہے۔ (ول ڈیوران ایج آف فیتھ، ص ۲۸۹) میں لکھتے ہیں۔ راجر بیکن موجد دوربین طبیعات میں بلند مقام رکھتا ہے۔ لیکن اگر ابن الہشیم نہ ہوتا تو راجر بیکن کا نام ونشان تک نہ ہوتا ابن الہشیم حسن بن الہشیم بصرہ کا رہنے والا ہے۔ (جاری)

یہودیت: ایک مطالعہ

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

دنیا کے ہر مذہب میں خدا کے سامنے عاجزی اور فروتنی، سر بریزی اور خشوع و مسکنت لازم رہی ہے، لیکن یہودیت میں اس کا پیغمبر خدا سے کشتی لڑتا ہے، یہودیت کی روایات میں ہے کہ یہودیوں کے مورث اعلیٰ حضرت یعقوب سے اللہ تعالیٰ نے کشتی لڑی، رات بھر کشتی ہوتی رہی اور صبح تک لڑ کر بھی اللہ تعالیٰ انہیں پچھاڑ نہ سکا اور جب صبح ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ اب مجھے جانے دو تو حضرت یعقوب نے جواب دیا کہ میں تجھے جانے نہ دوں گا، کہہ! جب تک تو مجھے برکت نہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے، تو انہوں نے بتایا "یعقوب" اللہ نے فرمایا کہ آئندہ تمہارا نام یعقوب نہیں، اسرائیل ہوگا کیوں کہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور ان پر غالب ہوا۔ انسائیکلو پیڈیا اور دوسرے لٹریچر میں بھی اسرائیل کے معنی خدا سے کشتی لڑنے والا بیان کیے گئے ہیں۔ اس طرح اسرائیل حضرت یعقوب کا نام ہوا اور ان کی اولاد بنو اسرائیل کہلائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو صاحبزادگان حضرت اسحاق و حضرت اسماعیل میں سے حضرت اسحاق کی اولاد میں بہت سے پیغمبر ہوئے، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت، موسیٰ حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ وغیرہ وغیرہ۔

بنی اسرائیل میں نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ پیغمبر مبعوث فرماتا رہا؛ بلکہ ان کو اقتدار بھی نصیب ہوتا رہا۔ یوسف علیہ السلام جب مصر کے حکمراں ہوئے تو انہوں نے چند برسوں کے بعد اپنے خاندن کے لوگوں کو مصر بلا لیا، اولاد یعقوب یعنی بنی اسرائیل مصر میں پھلے پھولے اور ان کا خاندان خوب پھیل گیا۔ ایک طویل عرصہ تک بنو اسرائیل کا مصر میں اقتدار رہا، پھر اس کے کچھ عرصہ کے بعد مصر میں قوم پرستی اور وطن پرستی کی تحریک اٹھی، جیسا کہ عہد جدید کی تاریخ میں بہت سے ملکوں میں اٹھتی رہی ہے، اس تحریک کے نتیجہ میں اسرائیلیوں کے اقتدار کا سورج ڈوب گیا اور قبطیوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ اسرائیلیوں کے اقتدار کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے اور ان کی عددی قوت کو گھٹانے کے لیے جابرانہ اور قاہرانہ کارروائیاں شروع ہوگئیں چنانچہ ان کے نومولود بچوں کو قتل کر دیا جاتا اور بچیوں کو زندہ رکھا جاتا تاکہ آگے چل کر ان سے قبطی

نسل پیدا ہو سکے، اسرائیلیوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک ہوتا اور ان سے انتہائی محنت ومشقت کے کام بلا معاوضہ یا کم معاوضہ پر لیے جاتے۔طویل عرصۂ قیام میں بنی اسرائیل مصر کی آبادی گھل نہ مل سکے۔وطن سے ان کی وفاداری مشکوک قرار پائی،مصر کے باشندے ان پر اعتماد نہ کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ بیرونی طاقتوں کے ایجنٹ ہو سکتے ہیں۔

کئی صدیوں تک مصر میں اسرائیل ذلت کی زندگی گزارتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان میں مبعوث کیا،حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ دعوت لے کر اٹھے جو حضرت ابراہیم اور ان کے بعد آنے والے تمام پیغمبر پیش کرتے رہے تھے اور اس کے ساتھ انہوں نے ظلم کی مدافعت بھی کی اور پوری قوم کو فرعون اور حکمراں گروہ کے پنجۂ ظلم سے آزاد کرنے کی کوشش کی، بنو اسرائیل سے انہوں نے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو اور کامیابی انہیں کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرتے ہیں اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کو زمین کا وارث بناتا ہے۔

بنو اسرائیل کی نوجوان نسل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئی، البتہ جو لوگ سن رسیدہ تھے وہ عافیت کوشی اور دنیوی اغراض اور مصلحتوں کا شکار ہو گئے وہ اپنے بچوں کو فرعون کے غضب سے ڈراتے۔ ایک مدت دراز تک غلامانہ اور محکومانہ زندگی گزارنے کے جو نقصانات ہوتے ہیں وہ سب ان میں پیدا ہو گئے تھے۔اور ظالم حکومت سے پنجہ آزمائی اور مقابلہ کا حوصلہ کھو چکے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بنو اسرائیل پر جو ظلم وستم ہوتا آیا تھا وہ فرعون رمیسس ثانی کے زمانے میں بھی ہوتا تھا اور موسیٰؑ کی زندگی میں جو فرعون تخت سلطنت پر متمکن تھا اس کا نام منفتاح تھا۔حضرت موسیٰؑ کی بعثت سے پہلے اور ان کی بعثت کے بعد دونوں عہد میں یہ بات مشترک تھی کہ بنی اسرائیل کے نوزائیدہ نرینہ بچوں کو ذبح کر دیا جاتا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا جاتا۔بنو اسرائیل کے بڑے بوڑھے موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہا کرتے تھے کہ ''ہماری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پکڑا اور چرواہے نے آکر اس کو بچانے کی کوشش کی اور ان دونوں کی کشمکش میں بکری کے ٹکڑے اڑ گئے۔بس اسی طرح تمہاری اور فرعون کی کھینچ تان میں ہمارا کام تمام ہو کر رہے گا۔اس طرح کے جملے یہودیوں کی پست ہمتی کے آئینہ دار تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون کے مظالم سے بنو اسرائیل کو نجات دلانے کا فیصلہ فرمایا،ایک رات مقرر فرمائی جس میں تمام اسرائیلی سوادِ شب کی خاموشی میں ایک میدان میں جمع ہوئے اور آسمان کے نیچے ستاروں کی چھاؤں میں یہ کارواں بحر احمر کی طرف روانہ ہوا،فرعون کو اطلاع ہو گئی اس نے لشکر کو تعاقب کا حکم دیا۔ اسرائیلیوں کا قافلہ ابھی سمندر کے ساحل پر پہنچا تھا کہ فرعون کا عظیم الشان لشکر پیچھے سے تعاقب کرتے

ہوئے قریب آ گیا، آگے بحر زخار کی موجیں نگلنے کے لیے تیار، پیچھے فرعون کی فوج خون ریزی پر آمادہ، اللہ تعالیٰ کی مدد ایسے ہی نازک موقعوں پر نازل ہوتی ہے، اس نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی سمندر کے پانی پر ماریں، چنانچہ سمندر کئی حصوں میں تقسیم ہو کر پھٹ گیا، ہر حصہ پانی کے ٹیلے کی طرح کھڑا ہو گیا اور ان کے درمیان سے خشک راستہ چشم زدن میں تیار ہو گیا، موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر سمندری راستوں سے گزر کر دوسری جانب پہنچ گئے، یہ سمندر بنو اسرائیل کے لیے معجزاتی طور پر پایاب ہو گیا تھا؛ لیکن فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان راستوں پر قدم رکھا تو پانی کے ٹیلے پھر ایک دوسرے سے مل گئے اور یہ سمندر فرعون اور اس کے عظیم الشان لشکر کے لیے آبی قبرستان بن گیا۔ تنہا یہ ایک واقعہ قوم یہود کو شکر گزار اور خدا کے حکموں کا پابند بنانے کے لیے کافی تھا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر جزیرہ نمائے سینا میں پہنچے، کوہ سینا کی طرف آئے اور کچھ عرصہ تک یہاں قیام پذیر ہوئے اور تورات کے بیشتر احکام یہیں آپ پر نازل ہوئے، پھر اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ بنو اسرائیل کو لے کر فلسطین کی طرف جائیں اور اس کو فتح کریں۔ فلسطین کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے آپ نے ایک خفیہ وفد بھیجا، وفد کے بیشتر ارکان کی رپورٹ ایسی تھی کہ بنو اسرائیل خوف زدہ ہو گئے اور انہوں نے اپنی نافرمانی کے مزمن مرض کی بنا پر ان سے کہا: آپ اپنے بھائی کے ساتھ جا کر لڑیں، ہم یہاں اقامت گزیں اور فروکش رہتے ہیں، سزا کے طور پر بنی اسرائیل وادی تیہ میں چالیس سال تک سرگرداں رہے، جب پرانے لوگوں کی نسل ختم ہو گئی اور نئے پروردہ نوخیز نوجوان باقی رہ گئے تو پھر آپ نے فلسطین پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا، اس عرصہ میں ہارون علیہ السلام کی وفات ہو گئی، حضرت موسیٰؑ نے اپنے خلیفہ حضرت یوشع کو ساتھ لے کر نوجوانوں کے ساتھ حملہ کیا اور تھوڑی مدت میں فلسطین فتح ہو گیا۔ حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل کو کہا کہ تم خدا کا شکر ادا کرو کیوں کہ رب نے خبردار کیا ہے کہ میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے، حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم میں اس موقعہ پر جو تقریریں کیں ان کے متعدد فقرے تورات میں موجود ہیں، انہوں نے اسرائیلیوں کو کہا کہ اگر تم خدائی احکام پر عمل نہ کرو گے تو لعنتیں برسیں گی، وبائیں چمٹ جائیں گی، آسمان جو سر پر ہے پیتل کا ہو جائے گا، زمین جو پیروں کے نیچے ہے، لوہے کی ہو جائے گی، تم باغ لگاؤ گے؛ لیکن پھل کوئی اور کھائے گا، تمہارے بیل کو تمہاری آنکھوں کے سامنے دوسرے لوگ ذبح کریں گے، تم بھوکے پیاسے اور ننگے ہو گے اور دشمنوں کی خدمت پر مجبور ہو گے اور خداوند زمین پر تمہیں منتشر اور پراگندہ کر دے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ جو آتش و آہن کی طرح گرم و سخت تھے، یوں ہی نہ نکلے تھے، بنی اسرائیل دنیا بھر کے اعتقادی و اخلاقی روگ میں گرفتار ہو چکے تھے۔ مصر میں جو زمانہ

اور ان کی غلامی میں گزرا اس میں بت پرستی اس کے اندر سرایت کر گئی تھی اور مصر سے نکل کر جب وہ آزاد ہوئے تو بت پرستی کی خو کو چھوڑ نہ سکے اور گوسالہ پرستی میں گرفتار ہو گئے، موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون اس کو سمجھاتے رہے، توحید کی نصیحت کرتے رہے، مگر اس کے باوجود بنی اسرائیل اس زہر کو نہ نکال سکے جو مصر کے قیام کے زمانہ میں اور غلامی کی زندگی میں ان کے ریشے ریشے کے اندر اتر گیا تھا۔

جب بنی اسرائیل فلسطین میں آئے تو یہاں بھی بدترین قسم کا شرک پایا جاتا تھا اور اخلاقی بگاڑ اپنے عروج پر تھا، بنو اسرائیل کو وہ نعمتیں بھی یاد نہ رہیں جو اللہ تعالیٰ نے بطور خاص اتاری تھیں۔ انہیں من وسلویٰ کا انعام یاد نہ رہا۔ صحرا میں کھلے آسمان کے نیچے بادلوں کا سایہ بھول گئے، گرمی اور تپش میں پتھر سے پانی کے چشمے کا جاری ہونا وہ فراموش کر بیٹھے، اور اپنے درمیان افتراق وانتشار کی لعنت کو بھی ختم نہ کر سکے، فلسطین میں فاتح داخل ہوئے تھے؛ لیکن کوئی متحدہ حکومت قائم کرنے سے عاجز رہے۔ ہر قبیلہ نے اپنے لیے ایک علاقہ کو منتخب کر لیا۔ مفتوح مشرک قوموں کے شانہ بشانہ زندگی گزارنے اور داعیانہ اوصاف سے محروم رہنے کی وجہ سے شرک کی بیماری ان کے اندر سرایت کر گئی، جو قوم دعوت کی روح سے خالی ہوتی ہے اور کافروں اور مشرکوں کے درمیان زندگی گزارتی ہے اس کے اندر قبر پرستی، اولیاء پرستی، ارواح پرستی اور شرک کی دوسری قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں اور چوں کہ توحید میں شرک کی آمیزش ہو جاتی ہے اس لیے یہ بات اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا غضب مختلف قسم کے تازیانوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، پڑوسی خون کے پیاسے بن جاتے ہیں، مکانات نذر آتش ہو جاتے ہیں اور پھر وہی ہوتا ہے جس کی پیشین گوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان الفاظ میں کی تھی کہ آسمان پیتل کا بن جائے گا اور زمین لوہے کی۔ پیتل اور لوہے کا استعارہ ایسا مشکل نہیں جسے قوم یہود نے نہ سمجھا ہو یا اس دور کے مسلمان نہ سمجھ سکیں۔ فلسطین میں ایک مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کے ذریعہ بنو اسرائیل کو متحد کیا اور ان کی قیادت میں بہت سے شہروں کو مشرکین کے قبضہ سے نکال لیا گیا اگر اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر حضرت طالوت کی قیادت نہ بہم پہنچا دی ہوتی تو فلسطین سے بنو اسرائیل کو نکال باہر کیا گیا ہوتا اور ان کا اس سرزمین سے پورے طور صفایا ہو گیا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں پیہم پیغمبر بھیجے ان میں سے بعض کو بنی اسرائیل نے قتل تک کر ڈالا تھا، ان پیغمبروں میں حضرت داؤد وسلیمان کو اللہ تعالیٰ نے طاقت وزمین اقتدار بھی عطا فرمایا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان میں مذہبی روح پھر ختم ہو گئی اور پھر سے دنیا پرستی کا حملہ ہوا، اور مادیت کے شدید غلبہ میں انہوں نے آپس میں لڑائیاں بھی شروع کر دیں، اور اسی وجہ سے مملکت کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک شمالی فلسطین اور شرق اردن، جس کا پایہ تخت سامریہ تھا اور دوسرے جنوبی فلسطین جو سلطنت یہودیا سے

عبارت تھی اور جس کا پایہ تخت یروشلم تھا، ان دونوں سلطنتوں کے درمیان کشمکش اور کشاکش روز اول سے تھی اور روز آخر تک رہی، بنو اسرائیل میں جب شرک سرایت کر گیا، اور حضرت الیاس اور حضرت الیسع علیہما السلام کی کوششیں بھی ثمر آور نہ ہوسکیں تو خدائی غضب آشوریوں کی شکل میں نمودار ہوا اور ان کے حملہ نے ۷۲۰ء قبل مسیح میں سلطنت اسرائیل کا خاتمہ کر دیا، پھر ۵۸۷ء قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یہودی سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی، یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو پیوند خاک کیا، یہودی قتل کیے گئے اور جلاوطن ہوئے، لیکن اس سلطنت میں جو یہودیا کے نام سے جانی جاتی ہے کچھ افراد کا گروہ پیدا ہوا جس نے معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور توبہ واستغفار کی تلقین کی جس کے نتیجہ میں رحمت الٰہی اس کی طرف متوجہ ہوگئی اور ۵۳۹ء قبل مسیح میں ایرانی فاتح سائرس (خوزس یا خسروؔ) نے بابل کو فتح کرلیا اور بخت نصر نے جو حکومت قائم کی تھی اس کا ڈھانچہ زیر زمین ہوگیا۔ بنو اسرائیل کو اپنے وطن واپس جانے اور فلسطین میں آباد ہونے کی ان کو اجازت مل گئی۔ ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو ہوئی، اسی عہد میں حضرت عزیر پیدا ہوئے اور انہوں نے دین موسوی کے لیے مجددانہ کام انجام دیا، یہودیوں کو منظم کیا، تورات کو مرتب کر کے شائع کیا، یہودیوں کی دینی تعلیم کا انتظام کیا اور وہ اخلاقی مفاسد جو یہودیوں کے اندر گھس آئے تھے ان کو مٹایا، اور ڈیڑھ سو سال کے بعد بیت المقدس پھر سے بارونق اور آباد ہوا اور یہودی تہذیب و مذہب کا مرکز بن گیا، سلطنت یہودیا کی طرف پوری قوم کو منسوب کیا گیا اور قوم یہود اسی سلطنت سے بٹھائی گئی۔ اصل نام یہوذا ہے جو حضرت یعقوب کے چوتھے صاحبزادے کا نام تھا اور جن کی نسل کے لوگوں نے یروشلم اور اس کے اطراف میں حکومت قائم کی تھی۔

۱۹۸ء قبل مسیح میں فلسطین پر پھر یونانیوں کا حملہ ہوا، یہ یونانی مشرک بھی تھے اور اخلاق باختہ بھی، انہیں یہودی مذہب سے نفرت تھی انہوں نے یونانی تہذیب کو فروغ دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، یہودی بھی اس فاتح تہذیب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، انہوں نے یونانیوں کا لباس اختیار کرلیا، زبان سیکھ لی اور طرز معاشرت اختیار کرلی، ۱۹۸ء قبل مسیح میں جب نیا یونانی حکمراں اینٹوکس چہارم تخت نشیں ہوا تو اس نے پوری قوت سے یہودی مذہب اور تہذیب کو فنا کے گھاٹ اتارنا شروع کیا، جس طرح مشرکانہ مذہب کے بہت سارے گروہ دین کے، توحید کے ماننے والوں کے خلاف ہمیشہ متحد ہوجاتے ہیں اسی طرح سے یونانیوں کے گروہ بھی مل کر اور متحد ہوکر یہودیت کے خاتمے کی سازش میں لگ گئے، لیکن اگر دین توحید کو ماننے والے اپنے عقیدے پر ثابت قدم ہوتے ہیں اور صبر واستقلال کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں تو مخالفتوں کا ہجوم بھی اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتا، اسی طرح سے حضرت عزیر کی مجددانہ سرگرمیوں کی پھونکی ہوئی

روح اتنی طاقت ور ہو چکی تھی کہ یہودیوں میں ایک اخلاق و دینی تحریک اٹھی جسے مکابیوں کی تحریک کہا جاتا ہے، اس تحریک کے علمبر دار متحد بھی تھے اور بصیرت سے بہرہ مند بھی، انہوں نے یونانیوں کو نکال دیا اور دینی ریاست قائم کرلی اور یہ ریاست اتنی وسیع تھی کہ سابقہ یہودیا اور سامریا دونوں ریاستیں اس کی زیر نگیں تھیں اور فلسطیہ کا بھی ایک رقبہ اس دینی ریاست کے ماتحت ہو گیا۔

مکابیوں کی تحریک بھی شعلۂ مستعجل ثابت ہوئی، وہ جتنی تیزی کے ساتھ پھیلی تھی باہمی اختلافات کے نتیجہ میں اتنی ہی جلدی فنا پذیر بھی ہوگئی اور پھر رومی فاتح پومپی نے بیت المقدس پر حملہ کر کے قبضہ کرلیا اور یہودیوں کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا، جس طرح سے دور اول میں جب بنی اسرائیل پر آشوری حملہ آور ہوئے تھے اسی طرح سے اس دور ثانی میں رومی حملہ آور ہوئے، انہوں نے فلسطین میں اپنے زیر سایہ ایک ریاست قائم کی ۴۰ء قبل مسیح میں یہودی ہیرو نامی شخص کے قبضہ میں آئی، اس نے بیک وقت یہودی مذہبی پیشواؤں کو بھی خوش رکھا اور وہ رومی سلطنت کا بھی وفادار رہا، ۱۴ء میں اسی ہیرو اعظم کے پوتے کو رومیوں نے اقتدار کے تخت پر بٹھایا اور اس نے مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں پر جبر و ظلم کی انتہا کردی، کچھ عرصہ کے بعد یہودیوں اور رومیوں کے درمیان پھر کشمکش شروع ہوگئی اور جب ۷۰ء کا سال آیا تو رومیوں نے فوجی کارروائی کر کے یروشلم کو فتح کرلیا، ایک لاکھ تنتیس ہزار یہودی قتل کیے گئے۔ ۶۰ ر ہزار آدمی گرفتار ہوئے، محکوم قوم کے افراد کو جنگلی جانوروں کا شکار بننے کے لیے چھوڑ دیا جاتا اور تماشائی دیکھتے، ایسی تماشہ گاہ آثار قدیمہ کی حیثیت سے شہر اردن میں اب بھی موجود ہے۔

کتاب تورات جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور جس کے دس احکام حجری تختوں پر دیے گئے اور دیگر احکام موسیٰ علیہ السلام نے لکھوائے اور بنی لادی کو تورات کا ایک نسخہ دے کر یہ ہدایت بھی کی کہ اس کی حفاظت بھی کرنا اور اس کو مردوں اور عورتوں اور بچوں کو بیٹھا کر کے سنانا۔ یہ آسمانی کتاب جو قوم میں اشاعت کے لیے نازل کی گئی تھی وہ مذہبی پیشواؤں تک محدود ہو کر رہ گئی، یہ کتاب عوام کے دست رس سے باہر تھی اور مذہبی پیشواؤں کا حال یہ تھا کہ انہوں نے اپنی خواہشات کے مطابق اس کتاب میں تحریف کی، اپنے وضع کردہ قوانین کو کلام الٰہی کے ساتھ ملا دیا اور کتاب کو اس طرح سے پیش کیا کہ پوری کتاب کتاب مقدس ہو، پھر اس کتاب کی بھی وہ حفاظت نہ کرسکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری حصہ میں اپنے خلیفہ اول حضرت یوشع کی مدد سے تورات کو مرتب کر کے ایک صندوق میں رکھوا دیا تھا، لیکن جب حضرت موسیٰ کی وفات ہوگئی اور چھٹی صدی قبل مسیح میں بخت نصر نے حملہ کر کے بیت المقدس کو آگ لگادی تو جہاں یہ جسم جلا تو یہ مقدس صندوق بھی جو جسم میں دل کی حیثیت رکھتا تھا جل گیا۔ اس کے دو سو سال

کے بعد حضرت عزیر نے بنواسرائیل کے کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کے حافظے کی مدد سے اس آسمانی کتاب کو ازسرنو مرتب کیا لیکن یہ مرتب کردہ کتاب جو اصل تورات سے یقیناً مختلف تھی، سکندر اعظم کی فتوحات کے سیل بے اماں میں ضائع ہوگیا اور اس کا یونانی ترجمہ رائج ہوا، تو آج تورات جسے قدیم عہد نامہ کہتے ہیں اس کی سند حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کے طور پر مرتب کیا تھا اور اس میں بیچ بیچ میں فرمان خداوندی کا ذکر آتا ہے، یہی متفرق فرامین خداوندی ہیں جو تورات کی مختلف کتابوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان حیات ہیں اور ان کے بعد کی تاریخ میں حوالے کے طور پر ذکر کیے گئے ہیں، ان میں بھی کتنے فرامین حقیقی ہیں اور کتنے غیر حقیقی، یقین کے ساتھ کچھ کہنا ان کے بارے میں دشوار ہے، لیکن پھر بھی کہیں کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسانی کلام کے درمیان درمیان کلام الٰہی کا نور چمک رہا ہے۔ موجودہ تورات جسے حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی تدوین میلاد مسیح کے ستر سال کے بعد ہوئی ہے۔

مذہب یہودیت کا نام بہت بعد کے زمانہ میں تیسری چوتھی صدی قبل مسیح معروف ہوا، حضرت یعقوب کے چوتھے صاحبزادے کا نام یہودا تھا، انہیں کے خاندان کو ایک زمانہ میں فلسطین میں طروح واقتدار حاصل ہوگیا تھا۔ اس لیے پورے دین موسوی کو اسی یہودی سلطنت کی طرف منسوب کردیا گیا، ورنہ یہ نام نہ تو یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور نہ آپ کے بعد دوسرے پیغمبروں کے زمانے میں، بلکہ عیسائیت کا لفظ بھی بعد کے زمانہ کی پیداوار ہے، ان تمام پیغمبروں کا دین اور پیغام ایک ہی تھا اور یہ دین توحید تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مبعوث ہوئے تو اس بنواسرائیل نامی قوم میں مبعوث ہوئے، قیصر روم کی حکومت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام کی سخت مخالف تھی اور دین توحید کے برعکس شرک و بت پرستی میں مبتلا تھی، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے اور ان کو سزا دینے کی بات طے پا گئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک شخص کو رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ ایسے موقعہ پر حضرت مسیح کو گرفتار کروائے، جب ان کے معتقدین کی طرف سے ہنگامے کا اندیشہ نہ ہو، چنانچہ اس حواری نے جو یہودی تھا اپنی تدبیر سے حضرت مسیح کو گرفتار کروایا جس کا نام یہوداہ اسکریوتی تھا، جب حضرت مسیح کو مصلوب کرنے کا رومی عدالت نے فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرشتوں کے ذریعہ آسمان پر اٹھالیا لیکن اس یہوداہ اسکریوتی کو جس نے پکڑوانے کی تدبیر کی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل اللہ نے بنادیا چنانچہ لوگوں نے انسانوں کے ہجوم میں اور رات کی تاریکی میں اسی شخص کو پکڑ لیا اور اس کو بالآخر سولی پر چڑھادیا اس نے تباہی کا جو گڑھا حضرت مسیح کے لیے کھودا تھا خود اس میں آخر کار گر گیا، یہ وہ حقیقت ہے جسے برناباس کی انجیل میں بیان کیا گیا ہے، تمام انجیلوں میں یہی ایک انجیل ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

ولادت سے سو سال پہلے دریافت ہوئی اور جس میں تثلیث کے بجائے توحید کا عقیدہ پیش کیا گیا ہے، لیکن اس انجیل کو عیسائی نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ غالباً کسی مسلمان نے اسے تصنیف کر ڈالا ہے۔

سن ۷۰ء میں جب رومیوں نے فلسطین میں یہودیوں کا قتل عام کیا تھا اس وقت یہودی منتشر ہو گئے تھے اور کچھ لوگوں نے حجاز میں آ کر پناہ لی تھی۔ یثرب میں بڑی تعداد میں یہودی آباد ہوئے۔ غریب الوطنی تھی اور درختوں کی چھاؤں گھنی تھی، آب رواں بھی تھا، سبزہ جواں بھی تھا، چشمے اور سرسبز مکانات میں دلکشی تھی، یہودی فلسطین جیسے سرسبز خطہ زمین کو چھوڑ کر آئے تھے اس لیے بے آب و گیاہ صحراء میں نہیں رہ سکتے تھے، انہوں نے اپنی مالیات کو مستحکم کیا اور تجارت شروع کی اور سودی کاروبار کے شکنجہ میں عرب سرداروں کو لپیٹ لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو یہودی مدینہ میں تھے اور باغات ومحلات کے مالک تھے۔ وہ پہلے سے ایک نبی کے منتظر تھے لیکن نبی کی بعثت بنی اسحاق کے بجائے بنی اسماعیل میں ہوئی تو وہ ایمان لانے پر آمادہ نہ ہو سکے، کیوں کہ وہ نسلی تعصب کا شکار تھے اور خود کو خدا کا پسندیدہ اور چنندہ اور محبوب انسانی گروہ قرار دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کے نبی موسیٰ نے عقیدہ توحید کی وجہ سے قوم یہود کو منظور نظر قوم قرار دیا تھا، جب کہ مصری باشندے شرک میں مبتلا تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصریوں کی نقل میں یہودی بھی شرک میں گرفتار تھے۔ سرکش تھے، پیغمبروں کی بات تک ماننے کے روادار نہ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام جب نبوت سے سرفراز کیے گئے تو سب سے پہلے انہوں نے دعوت کا آغاز بنو اسرائیل سے کیا؛ لیکن بنی اسرائیل بات سننے اور ایمان لانے کے لئے تیار نہ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وہی تھی جو پہلے دوسرے انبیاء کی رہ چکی تھی؛ اس لیے یہودی توحید رسالت وحی آخرت اور ملائکہ کے قائل تھے۔ ان سب پر ایمان رکھتے تھے۔ اس ضابطہ شرعی پر ایمان تھا جسے لے کر موسیٰ علیہ السلام نازل ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ختنہ بھی تھا اور لحم خنزیر کی ممانعت بھی تھی۔ مابعد کے عیسائی ان دونوں کے منکر ہو گئے۔ انہوں نے ختنہ بھی ختم کر لیا اور لحم خنزیر کو مباح کر دیا۔ یہودی صدیوں کی بربادی اور غلامی کی وجہ سے اصل دین سے منحرف ہو گئے تھے۔ غلط رسوم ورواج ان میں داخل ہو گئے تھے۔ دین کی حقیقی روح سے عاری تھے اور بے جان مذہبیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے۔ بدعات اور تحریفات کا شکار تھے۔ ظاہری مراسم کے پابند لیکن ضروری اور بنیادی احکام کو بالائے طاق رکھتے تھے۔ زبان کے محاورے کے مطابق مچھروں کو چھانتے لیکن اونٹ کے نگلنے میں انہیں کوئی باک نہ تھا۔ استخواں گیری اور مغز افگنی کی عادت کا شکار تھے، انہیں دین سے دوری اور مظاہر پرستی کے اعتبار سے بگڑے ہوئے مسلمان سے تشبیہ دی جا سکتی ہے، مذہبی فخر وغرور ان کو عدل کی حقیقت سے محروم کر دیا تھا۔

(بقیہ ص: ۷ / پر)

حرمتِ تصویر

اقوال علماء کی روشنی میں

مولانا عبید انور شاہ قیصر
استاذ جامعہ ہذا

ذی روح (جاندار) کی تصویر کی حرمت قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ یہ بات البتہ ضرور قابلِ بحث رہی ہے کہ نصوص میں جس تصویر کو حرام قرار دیا گیا ہے اس کا حقیقی مصداق کیا ہے؟ تصویر کی مختلف نوعیتوں اور شکلوں میں سے کس کس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور کس پر نہیں؟ ہاتھ سے بنائی گئی تصویر، ڈجیٹل کیمرے اور موبائل سے کھینچی گئی تصویر، ویڈیو کی شکل میں موجود تصویر، ان سب کا ایک ہی حکم ہے یا الگ الگ؟ یہ امور علماء کے مابین گفتگو اور بحث کا موضوع بنے رہے ہیں۔

برّصغیر، عرب اور مصر کے جمہور علماء ہاتھ سے بنائی گئی اور کیمرہ سے کھینچی گئی دونوں طرح کی تصویر کو حرام قرار دیتے ہیں۔ سعودی عرب کے سب سے معتبر اور معروف دارالافتاء میں شمار ہونے والے ادارے "اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء" کا فتوی ہے:

"القول الصحيح الذي دلت عليه الأدلة الشرعية وعليه جماهير العلماء: أن أدلة تحريم تصوير ذوات الأرواح تضم التصوير الفوتوغرافي واليدوي، مجسما أو غير مجسم، لعموم الادلة" (صحیح قول جس پر شرعی دلائل دلالت کرتے ہیں اور جس پر جمہور علماء قائم ہیں یہ ہے کہ جاندار چیزوں کی تصویر کی حرمت کے دلائل فوٹوگرافی کی تصویر اور ہاتھ سے بنائی جانے والی تصاویر سبھی کو شامل ہیں، خواہ وہ مجسم ہو یا غیر مجسم ہو، دلائل کے عام ہونے کی وجہ سے)۔ (۱/۱ المجموعة الثانیہ، ص: ۲۸۸) (نیز دیکھیں فتویٰ اللجنۃ الدائمۃ رقم: ۵۸۰۷، ۷۴۵۰، ۱۶۲۵۹)

مشہور عالم اور ممتاز فقیہ علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ولا فرق بين الصورة المجسمة المصنوعة بالآلة أو باليد وبين الصورة المرسومة بالكاميرا كلها داخلة في

الحديث، وكلها ممنوعة (بذریعہ آلہ، ہاتھ یا کیمرے سے بنائی گئی تصویر میں کوئی فرق نہیں، یہ سب حدیث کے تحت داخل ہیں اور ممنوع ہیں)۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین کی رائے بھی یہی ہے، وہ لکھتے ہیں: "**القول بتحريم التصوير بالكاميرا أحوط.... ولا فرق في حكم التصوير بين ماله ظل وهو المجسم، وما لا ظل له لعموم الأدلة في ذلك وعدم المخصص**" (کیمرے کے ذریعے کھینچی گئی تصویر کا حرام ہونا یہی بات مبنی بر احتیاط ہے.... نیز تصویر سایہ دار یعنی مجسم ہو یا بغیر سایہ کے غیر مجسم دونوں کا حکم یکساں ہے (یعنی حرمت) اس لئے کہ دلائل میں عموم ہے اور استثناء کی کوئی دلیل نہیں)۔ شیخ حمود بن عبداللہ التویجری نے "**تحريم التصوير**" اور "**الاعلان بالنكير على المفتونين بالتصوير**" نامی رسائل میں، جامعہ قصیم کے استاذ شیخ عبداللہ بن محمد الطیار نے "**صناعة الصورة باليد مع بيان احكام التصوير الفوتوغرافي**" نامی رسالہ میں، اور مصری عالم شیخ ابوذر القلمونی نے "**فتنة تصوير العلماء**" نامی کتاب میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔

ہند و پاک کے جمہور علماء کی بھی ابتداء سے یہی رائے رہی ہے، ان حضرات کی رائے سے شروع میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اختلاف تھا، انہوں نے ایک طویل عرصے تک اپنا مشہور اخبار "الہلال" باتصویر شائع کیا، اور مختلف مواقع پر (بغیر کسی خاص ضرورت کے بھی) خود مولانا نے تصاویر کھنچوائیں، بعد میں مولانا کو جمہور کی رائے اور فتوے پر شرحِ صدر حاصل ہو گیا اور اپنے سابقہ نظریہ سے رجوع کرتے ہوئے انہوں نے لکھا: "تصویر کا کھنچوانا، رکھنا، شائع کرنا سب ناجائز ہے، یہ میری سخت غلطی تھی کہ تصویر کھنچوائی اور "الہلال" کو باتصویر نکالا تھا، اب میں اس غلطی سے تائب ہو چکا ہوں، میری پچھلی لغزشوں کو چھپانا چاہئے نہ کہ ازسرنو ان کی تشہیر کرنا چاہیے"۔ (بحوالہ جواہر الفقہ :3/171)۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کے علاوہ برصغیر کی ایک دوسری نامور شخصیت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بھی ابتداء میں تصویر کے مسئلے میں جمہور علماء کی مخالفت کی۔ انہوں نے اپنے ایک مقالے میں اپنی رائے ظاہر کی کہ عکسی تصویر اور غیر عکسی تصویر جب کہ وہ شرک کا سبب نہ ہوں جائز ہے۔ بفضلِ خداوندی مولانا آزادؒ کی طرح مولانا ندویؒ کو بھی وقت رہتے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ انہوں نے ''رجوع واعتراف'' کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا جو ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڈھ محرم الحرام

۱۳۳۶ھ کے شمارہ میں شائع ہوا۔اس مقالے میں مولانا نے بڑی وضاحت کے ساتھ اپنے سابق نظریہ سے رجوع کیا اور تصویر کو مطلقاً حرام قرار دیا۔

جہاں تک ویڈیو وغیرہ کا مسئلہ ہے تو ابن عثیمین رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق ٹی-وی اور ویڈیو وغیرہ کی شکل میں موجود تصویر جب منکرات و مفاسد سے خالی ہو تو اس کا دیکھنا جائز ہے۔اس کے ساتھ انہوں نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ موجودہ زمانے میں ٹیلیویژن کے شر کا تناسب اس کی خیر کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے،اس لیے میری نصیحت یہی ہے کہ گھر میں ٹی وی رکھنے سے بچا جائے، چاہے نیت محض خبریں دیکھنے ہی کی ہو،تب بھی اس سے احتراز اولیٰ ہے۔یہی رائے شیخ محمد بن نجیب مطیعی کی ہے۔اس کے برعکس شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ،علامہ ابن باز،شیخ عبدالکریم خضیر،علامہ البانی،شیخ حمود التویجری،شیخ صالح فوزان وغیرہ علماء اور سعودی عرب کی اللجنة الدائمة للإفتاء نے ویڈیو کی شکل میں موجود تصویر کو بھی حرام قرار دیا ہے۔شیخ عبدالکریم خضیر فرماتے ہیں:

التصویر بجمیع صورہ و أشكاله، تصوير ذوات الأرواح محرم، بما في ذلك التصوير الشمسي، والتصوير بالفيديو، إلا ما دعت إليه الحاجة والضرورة، وألزم الناس به.

شیخ صالح فوزان سے پوچھا گیا کہ کیا ویڈیو کے ذریعہ تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری رکھنا، قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم میں اسے استعمال کرنا جائز ہے تو انہوں نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا۔سوال اور جواب کی عبارت یہ ہے: **السؤال: ما حكم استخدام الوسائل التعليمية من فيديو وسينما وغيرهما في تدريس المواد الشرعية كالفقه والتفسير وغيرها من المواد الشرعية؟ وهل في ذلك محذور شرعي؟ الجواب: الذي أراه أن ذلك لا يجوز لأنه لا بد أن يكون مصحوبا بالتصوير والتصوير حرام وليس هناك ضرورة تدعو اليه (المنتقى، 53)۔**

یہی رائے جمہور علماء ہند و پاک کی ہے۔وہ عام حالات میں ویڈیو اور ٹیلی ویژن پر موجود تصویر کو حرام قرار دیتے ہیں۔اس بارے میں ہم یہاں صرف ایک عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو: ”ٹی وی اور ویڈیو فلم کا کیمرہ جو تصویریں لیتا ہے وہ اگرچہ غیر مرئی ہیں، لیکن تصویر بہر حال محفوظ ہے اور اس کو ٹی وی پر دیکھا اور دکھایا جاتا ہے اس کو تصویر کے حکم سے خارج نہیں کیا جا سکتا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاتھ سے تصویر بنانے کے فرسودہ نظام کے بجائے سائنسی ترقی نے تصویر سازی کا ایک دقیق طریقہ ایجاد کر لیا ہے، تصویر تو حرام ہی رہے گی۔“ (تصویر اور سی ڈی کے شرعی احکام: ص،94)۔

حرمتِ تصویر کی علت:

اس بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ تصویر کی حرمت کی اصل وجہ کیا ہے؟ علت کی بحث اس لئے ضروری ہے کہ حکم علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے (الحکم یدور مع علته وجوداً وعدماً)۔ علت کی معرفت سے ہی مختلف احوال میں حکم کی تطبیق ممکن ہوتی ہے۔اس بارے میں مختصر تفصیل یہ ہے: بعض علماء [جن کی تعداد اقل قلیل (نہایت کم) ہے] کا کہنا یہ ہے کہ اس کی علت صرف بت پرستی سے روکنا تھا اور یہ علت صرف مجسم تصویر (بت اور مورتی وغیرہ) میں پائی جاتی تھی اس لیے ممانعت کا تعلق بھی اسی سے ہے۔(موجودہ دور میں کیمرے سے کھینچی گئی تصویر شرک وگمراہی اور غیر اللہ کی عبادت کا بہت بڑا ذریعہ اور عملی مصداق بن چکی ہے، اس کا مسئلہ بت پرستی سے کسی طرح کم نہیں)۔

علماء کی اکثریت نے تصویر کی حرمت کی اس کے علاوہ بھی کئی علتیں ذکر کی ہیں۔مثلاً علماء کی ایک بڑی جماعت جو تصویر کی حرمت کی قائل ہے، وہ دیگر وجوہات کے علاوہ اس کی یہ علت بھی ذکر کرتی ہے کہ صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جس گھر میں تصویر موجود ہو اس میں ملائکہ رحمت داخل نہیں ہوتے (دیکھیں بخاری شریف: حدیث نمبر 4002)[یہی علت کتا پالنے کے عدم جواز کی ہے کہ جس گھر میں کتا ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے]۔

ایک علت ''تخلیق خدا کی نقل ومشابہت'' ہے، اس بارے میں بھی نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واضح ارشاد موجود ہے: أشد الناس عذابًا یوم القیامة الذین یضاھون بخلق اللہ (بخاری شریف: 5954)(روزِ قیامت سخت ترین عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی تخلیق سے مشابہت اختیار کرتے ہیں)۔حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ قیامت کے دن تصویر بنانے والے سے کہا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویر میں جان ڈالے (روح پھونکے)، بخاری شریف کے الفاظ ہیں: ''أحیوا ما خلقتم'' (5951)''جو تم نے بنایا ہے، اسے زندہ کرو''۔شیخ محمد واصل نے اپنی کتاب ''احکام التصویر'' میں حرمت تصویر کی پانچ علتیں ذکر کی ہیں، ان میں دو علتیں تو وہی ہیں جو ہم نے ذکر کیں، اس کے علاوہ بقیہ تین یہ ہیں: (1) کون التصویر وسیلة إلی الغلو فی الصور وتعظیمھا من دون اللہ تعالی (2) ما فی صناعة الصور واتخاذھا

من التشبه بأفعال المشركين والكفار (3) النهي عن إضاعة المال وتبذيره.

تصویر کشی کے جواز کی صورتیں:

فقہاء نے تصویر کی حرمت کے ساتھ ساتھ اس کے ممکنہ جواز پر بھی تفصیل سے بحث کی ہے، اس سلسلے میں ہم اولاً علامہ ابن باز رحمہ اللہ کی عربی عبارت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں، ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (مسئلہ تصویر پر) اپنی گفتگو ختم کرنے سے قبل میں اس امر کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگرچہ ہماری رائے تصویر کی حتمی طور پر حرمت کی ہے۔ تاہم اس بارے میں ہم کوئی مانع نہیں پاتے کہ اگر تصویر میں ''کسی نقصان کے خطرہ کے بغیر حقیقی فائدہ موجود ہو'' اور ''یہ فائدہ کسی جائز طریق سے حاصل نہ سکتا ہو''، تو تصویر کی گنجائش ہے۔ علم طب، جغرافیائی ضرورتیں، مجرموں پر ہاتھ ڈالنے اور ان کی غلط کاریوں سے بچاؤ وغیرہ جیسے مقاصد تصویر کشی کا جواز پیدا کرتے ہیں۔ ابن باز رحمہ اللہ کے فتوے کو دوبارہ بغور پڑھیں، خاص طور پر وہ دو شرطیں جنہیں ہم نے بین الواوین ذکر کیا ہے ان پر غور کریں۔

یہی رائے جمہور علماء کی ہے، انہوں نے مشہور فقہی ضابطوں "الضرورة تبيح المحظورات" اور "الضرورة تتقدر بقدر الضرورة" کو معیار بنا کر بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت کی شرط پر اسے جائز قرار دیا ہے اور اس کی استثنائی صورتیں بیان کی ہیں۔ کسی قانونی ضرورت کی بنا پر، شناختی کارڈ کے لیے، جامعات، اسکولوں، مدرسوں، دفتروں اور سرکاری کاغذات میں چسپاں کرنے کے لیے، ویزا اور پاسپورٹ کے لیے تصویر کھنچانا جائز ہے۔

ہمارے اس مضمون کا مقصد کسی نئی بحث کو جنم دینا نہیں ہے، بلکہ یہ بات سمجھانا ہے کہ حرمت تصویر کا مسئلہ ایک خالص علمی اور فقہی مسئلہ ہے، جس میں آراء کا اختلاف عقلی، علمی اور منطقی نقطہ نظر سے بالکل بجا اور درست ہے۔ اس سلسلے میں عدمِ جواز یا جواز کا قول اختیار کرنے والے محقق علماء میں سے کسی کو مطعون کرنا اور برا بھلا کہنا محض جہالت ہے۔ ہمارا مقصد دراصل ان لوگوں کی غلطی پر تنبیہ کرنا ہے جو بغیر اہلیت اور مطالعہ کے ہر مسئلے میں بولنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جب ہماری نگاہوں کے سامنے بعض لوگوں کا یہ تبصرہ گزرتا ہے کہ ''تصویر کی حرمت کا فتوی دقیانوسیت پر مبنی ہے'' یا یہ کہ ''کیمرے سے کھنچی گئی تصویر بلا اختلاف جائز ہے'' یا پھر یہ کہ ''قرآن وحدیث میں کہیں ویڈیو کی ممانعت نہیں آئی''، تو ہمیں یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ یا تو یہ شخص علم سے بے بہرہ، علماء کی آراء سے ناواقف، نصوص شرعیہ سے نابلد اور فقہی استنباط واستخراج سے نا آشنا ہے یا پھر اپنے نفس کا محکوم، اپنی خواہشات کا غلام اور دینی امور میں تساہل اور سستی کا شکار ہے۔ ان لوگوں کے لیے ہم ہدایت کی دعا کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو

شرور وفتن سے محفوظ رکھے اور علم اور علماء کی ناقدری سے بچائے۔

فقہاء کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے ہم بطور خلاصہ تصویر کا حکم نقل کرتے ہیں:

(1)--- جاندار کی تصویر خواہ ہاتھ سے بنائی جائے یا کیمرے (کیمرا پرانے طرز کا ہو یا ڈجیٹل) کا استعمال کیا جائے، جمہور علماء کے نزدیک یہ ناجائز اور حرام ہے۔ ضرورت کے تحت تصویر کھنچائی جاسکتی ہے مگر ضرورت حقیقی ہو جس کی تفصیل فقہاء نے لکھ دی ہے، نہ کہ خودساختہ اور نفس کی پروردہ۔ لہٰذا شادی کی تقریبات میں، جلسوں اور سیر وتفریح کے موقع پر، بطور یادگار البم وغیرہ میں رکھنے کے لیے تصویر کھنچانا جائز نہیں، اس لیے کہ اس میں عام طور پر ممانعت کی کم از کم تین یا چار علتیں بہرحال موجود ہیں۔ اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو رات دن فیس بک، واٹس ایپ وغیرہ پر اپنی تصویریں شیئر کرتے ہیں۔

(۲)-"فيهما منافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما" اور فقہ کے ضابطے "درء المفاسد أولىٰ من جلب المصالح" کے اصول کے مطابق ٹی وی کے عدم جواز کا قول ہی راجح ہے۔ جمہور علماء کی رائے یہی ہے اور جن حضرات نے اسے جائز قرار دیا ہے ان کی تعداد اولاً تو کم ہے، پھر ان کے دلائل بھی کمزور ہیں، مزید یہ کہ ان میں سے بعض نے باوجود جواز کا قول اختیار کرنے کے اسی کی ترغیب نہیں دی بلکہ اسے خلافِ احتیاط قرار دیا ہے، جیسا کہ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا قول سابق میں مذکور ہے۔

(۳)-موجودہ حالات میں دین کے دفاع کے لئے یو-ٹیوب وغیرہ پر ویڈیو بنا کر اپلوڈ کرنے کی جہاں تک بات ہے تو اس کی اجازت حالت اضطرار ہی میں دی جاسکتی ہے۔ یعنی محض اس وقت جب کوئی اور صورت اس سلسلے میں مفید نہ ہو اور کسی دوسرے جائز طریقے سے یہ کام انجام دینا ممکن نہ ہو، اس حالت اضطرار میں وقتی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن یہ اجازت بھی انہیں افراد کے لئے ہے جو اس کی اہلیت رکھتے ہیں اور اس رخصت کی آڑ میں جمہور علماء کے قول سے خروج کرنا نہیں چاہتے۔ ملحوظ رہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے "مقالۃ الشیخ محمد رفیع عثمانی" ص:۵۲-۵۵ میں، مفتی محمد تقی صاحب عثمانی نے "تکملہ فتح الملہم" جلد ۴، ص:۱۶۲-۱۶۳ میں، "تقریر ترمذی" ج ۲، ص:۵۲ ۳ میں اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی نے اپنے مختلف فتاویٰ میں ویڈیو کی اجازت دی ہے۔

آخر میں ایک عام شبہ کا ازالہ ضروری ہے جس کی بنا پر عوام الناس تصویر کو جائز سمجھتی ہے۔

اور یہ ''شبہ''، بعض علماء کا بکثرت تصویر کھنچوانا اور اس ناروا فعل میں مبتلا ہونا ہے۔ تو اس بارے میں یاد رکھنا چاہیے کہ کسی عالم کا وہ عمل جو جمہور کی رائے اور فتوے کے خلاف ہو اس سے دلیل پکڑنا درست نہیں۔ جو عالم تصویر کھنچواتا ہے وہ ہر مسلمان کی طرح اپنے عمل کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہی اعتراض کیا تو آپ نے جواب مرحمت فرمایا کہ: ''یہ اصول ذہن میں رکھیے کہ گناہ ہر حال میں گناہ ہے، خواہ ساری دنیا اس میں ملوث ہو جائے۔ دوسرا اصول یہ بھی ملحوظ رکھیے کہ جب کوئی برائی عام ہو جائے تو اگرچہ اس کی نحوست بھی عام ہوگی؛ مگر آدمی مکلف اپنے فعل کا ہے۔ پہلے اصول کے مطابق علماء کا ٹی وی پر آنا اس کے جواز کی دلیل نہیں.... اگر طبیب کسی بیماری میں مبتلا ہو جائیں تو بیماری بیماری ہی رہے گی، اس کو صحت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: 7/81)

حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم علماء کے اس طرزِ عمل پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''امت کے اکابر عملی طور پر اپنے مفتیوں کی مخالفت کرتے ہیں، ان کے ذہنوں میں کیمرے کے فوٹو کی کوئی خاص قباحت نہیں رہی، یہ ایک بڑا المیہ ہے..... اکابرین سے میری گزارش ہے کہ خدارا دین پر رحم کریں، اگر ان کے دل میں دین کی کوئی قدر نہیں ہے تو عوام کو تباہ نہ کریں، واللہ یهدی السبیل (چند اہم عصری مسائل ص: ۳۴۵)۔

شیخ عبد الرحمن براک مسئلہ تصویر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وخلاصة القول أن المبيحين للتصوير بالكاميرا أو التصوير الضوئي أصناف:

1- علماء مجتهدون في معرفة الحق، بريئون من الهوى، فهم في التصوير متأولون، وهذا الصنف قليل.

2- علماء مجتهدون متأثرون في اجتهادهم بضغط الواقع وشيء من الهوى.

3- مقلدون بحسن نية.

4- مقلدون مع شهوة وهوى، وهؤلاء يكثرون في المنتسبين إلى العلم والدين.

5- متبعون لأهوائهم لا يعنيهم أن يكون التصوير حراماً أو حلالاً، لكنهم يدفعون بالشبهات وبالخلاف من أنكر عليهم، والله يعلم ما يسرون وما يعلنون. (من رسالة للشيخ البراك في الرد على الشيخ العلامة ابن عثيمين رحمه الله).

(ترجمہ): خلاصہ کلام یہ ہے کہ کیمرے کی تصویر اور عکسی تصویر کو جائز کہنے والوں کی چند اقسام ہیں:

(1)-وہ علماء جو حق کی تلاش وجستجو میں اجتہاد کرنے والے ہیں، یہ لوگ خواہشِ نفس سے بری ہیں۔ لہٰذا تصویر کے سلسلے میں ان حضرات کی جانب سے تاویل کی جائے گی اور ان لوگوں کی تعداد کم ہے۔

(2)-وہ علماء مجتہدین جن کی یہ اجتہادی رائے عموم بلوی اور کسی درجہ میں خواہشِ نفس سے متاثر ہے۔

(3)-وہ لوگ جو خلوصِ نیت کے ساتھ ان حضرات کی تقلید کرنے والے ہیں۔

(4)-وہ لوگ جو اگرچہ مقلد ہیں لیکن ان پر خواہشِ نفس اور ھوی کا غلبہ ہے، ایسے افراد کی تعداد علم اور دین کے منتسبین میں زیادہ ہے (یعنی اہل علم، طلبہ اور بظاہر دین دار طبقہ میں)۔

(5)-وہ لوگ جو محض اپنے نفس کے غلام ہیں، انہیں تصویر کی حلت وحرمت سے کوئی بحث نہیں، یہ لوگ شبہات پھیلا کر اور علماء کے اختلاف کی آڑ میں ان افراد کو خاموش کرنا چاہتے ہیں جو (ان کی غلط روش پر) نکیر کرتے ہیں۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں اور جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے۔

حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "الدین النصیحة" کہ دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے خیر خواہی کے جذبے ہی سے یہ مضمون لکھا ہے۔ جمہور کے طریقے سے ہٹنا اور تفردات، انفرادی آراء اور شاذ اقوال پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے دل کے حال سے واقف اور اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے۔ **من یطع الله ورسوله فقد رشد، ومن یعص الله ورسوله فلا یضر إلا نفسه، ولا یضر الله شیئاً** (جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے بے شک وہ کامیاب ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ اپنی ہی ذات کو نقصان پہنچانے والا ہے اور اللہ کو کوئی نقصان پہنچانے والا نہیں ہے)۔

ایمان کی لذت: حضرت انس راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہوگا، اول یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ کسی بندہ سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کے لئے ہو، تیسرے یہ کہ جب اللہ نے اسے کفر کے اندھیرے سے نکال کر ایمان واسلام کی روشنی سے نواز دیا تو اب وہ اسلام سے پھر جانے کو اتنا ہی برا جانے، جتنا آگ میں ڈالے جانے کو۔ (بخاری ومسلم)

محدث العصر، عالم ربانی

حضرت مولانا محمد انوری لائل پوریؒ

مولانا محمد راشد انوری نبیرہ حضرت مولانا محمد انوریؒ

آپ مشرقی پنجاب کے ضلع جالندھر موضع اوگی میں ۶ رصفر ۱۳۱۹ھ بروز ہفتہ بمطابق ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد گرامی حضرت مولانا فتح الدین رشیدیؒ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ اور اجلہ خلفاء میں سے تھے، اسی وجہ سے رشیدی ان کے نام کا جز بن گیا۔ نیز حضرت گنگوہیؒ کی طرح حضرت مولانا فتح الدین رشیدیؒ بھی شرک و بدعات کے خلاف سیف بے نیام تھے، ردّ بدعات پر آپ کا تحریر کردہ رسالہ عظیمہ بنام ''ختم مرسومۃ الہند'' ہے، جو حضرات علمائے کرام کے لیے سرمایۂ گراں مایہ ہے۔ (آپ نے دارالعلوم کے نام اپنی جائیداد کا بہت بڑا حصہ وقف کر دیا تھا) چنانچہ حضرت انوریؒ نے ایسے پاکیزہ ماحول میں آنکھ کھولی، جو خالصتاً دینی اور علمی خوشبوؤں سے معطر تھا۔

مولانا فتح الدین رشیدیؒ نے اپنے بیٹے محمد انوری کی تعلیم و تربیت بڑے استغناء سے فرمائی یعنی جس مدرسے میں بھی داخل کروایا ان کے کھانے کا انتظام ذاتی طور پر کیا، مدرسے پر بوجھ نہیں ڈالا، فالحمدللہ علی ذلک۔ اور نصیحت فرمائی کہ دین کو ذریعۂ معاش نہ بنائے، جو اعلی درجے کا تقویٰ ہے حضرت انوریؒ نے تاحیات مسجد اور مدرسے سے تنخواہ نہیں لی، کیوں کہ آپ صاحب ثروت تھے۔

مولانا فتح الدین رشیدیؒ کے تین بیٹے تھے:

(۱) مولانا اللہ بخشؒ (۲) مولانا محمد انوریؒ (۳) مولانا محمد عبداللہؒ۔

حضرت مولانا اللہ بخشؒ کے نواسے مولانا محمد حنیف جالندھری ہیں، یہ عزیز داری مزید قرابت داری میں یوں بدل گئی کہ مولانا محمد انوریؒ کے بیٹے مولانا سعید الرحمان انوریؒ کے مولانا محمد حنیف جالندھری داماد بنے۔

حضرت مولانا فتح الدینؒ نے بہت سے لوگوں کو دین کی محنت پر لگایا، جن میں حضرت مولانا محمد صدیقؒ (سابق شیخ الحدیث خیر المدارس) شامل ہیں۔ جب انھوں نے ۱۹۴۴ء میں مڈل پاس کیا تو مولانا فتح الدینؒ نے ہی آپ کو مدرسہ رائے پور گجراں میں داخل کروایا۔

حضرت انوریؒ نے موقوف علیہ تک علوم اسلامیہ کی تعلیم مدرسہ رائے پور گجراں میں حاصل کی۔ جون ۱۹۲۰ء میں سالارِ کاروانِ جہادِ آزادی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ یورپ کے جزیرہ مالٹا کی قید سے رہائی پاکر واپس تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے حضرت مولانا فتح الدینؒ کے ساتھ والہانہ مراسم تھے جس کی وجہ سے مولانا فتح الدینؒ اپنے بیس سالہ جواں بیٹے کو ہمراہ لے کر دیوبند پہنچے تو حضرت شیخ الہندؒ نے کمال شفقت سے حضرت انوریؒ کو تصوف کے چاروں سلاسل میں بیعت کرلیا۔ پھر حضرت انوریؒ کو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ مل کر اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک جہادِ آزادی کے راہنما اور رفقاء علماء وغیرہ مہمانوں کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ نیز حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کی اصلاح و تربیت پر خاص توجہ مبذول فرمائی۔ جس کی برکت سے خلافت کی خلعت سے بھی آپ کو نوازدیا۔ (چنانچہ مولانا محمد انوریؒ اپنے مریدین کو حضرت شیخ الہندؒ کے سلسلہ میں بیعت فرماتے تھے)۔ شوال المکرم میں نئے تعلیمی سال کے آغاز پر حضرت انوریؒ اپنے عہد کے عظیم استاد التفسیر والحدیث حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ کی صف میں بیٹھ گئے، مگر حضرت شیخ الہندؒ کبرسنی اور مسلسل اسفار کے باعث سبق نہ پڑھا سکے تو آپ کے مایہ ناز شاگرد فخر المحدثین حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے تشنگانِ علوم نبوت کو سیراب کیا جن میں حضرت مولانا محمد انوریؒ سرفہرست تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ، مولانا بدرعالم میرٹھیؒ جیسی عظیم ہستیاں آپ کی ہم درس تھیں۔

فراغت کے بعد حضرت مولانا محمد انوریؒ نے تدریسی، تحریری، تقریری میدانوں میں خوب کام کیا۔ حضرت انوریؒ دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم یافتہ بھی تھے، آپ نے منشی فاضل کا دوسالہ کورس اورنٹیئر کالج لاہور سے کیا تھا۔ تدریس میں آپ نے دورۂ حدیث تک کے اسباق کئی سال پڑھائے اور تحریری سلسلہ میں مختلف موضوعات پر رسائل لکھے اور تقریری سلسلے میں آپ نے کئی مناظروں میں قادیانی اور شیعہ مبلغوں کو عبرت ناک شکست دی۔ عقیدۂ ختم نبوت اور تحفظ ناموس رسالت کی تحریک میں جید علماء متکلمین کی صف میں شمار کیے گئے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ گرفتار ہو کر جیل بھی گئے، آپ کو قید تنہائی دی گئی، جیل کی پہلی رات ہی آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔

آپ کا تبحر علمی اور مشائخ حق سے روحانی کسب فیض کی تکمیل ہی تھی کہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے بھی مولانا محمد انوریؒ کو پُر انوار خلافت کی خلعت عطا فرمائی اور قادیانیوں کے خلاف مشہور مقدمہ بہاولپور ۱۹۳۲ء میں اپنے خاص معاون کے طور پر انھیں اپنی معیت کا شرف عطا فرمایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مولانا محمد انوریؒ کو مقدمہ بہاولپور کا مختار مقدمہ بنا دیا تو پورا مقدمہ ان کی قیادت میں طے پایا۔ زہے نصیب!!! اس عظیم استاذ و شیخ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے وصال کے بعد مولانا محمد انوریؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے گھرانے کی کفالت اپنے ذمے لے لی تھی۔ بحمد اللہ اس خدمت کو تادم آخر نبھایا، نیز حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات سے حضرت انوریؒ کو بہت صدمہ ہوا، تا آنکہ خواب میں بار بار اپنے مرشد علمی و روحانی کی زیارت ہوئی، تو آپ نے مولانا محمد انوریؒ سے فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ہمارے رفیق ہیں، آپ ان کی خدمت میں تشریف لے جائیں، چنانچہ تشریف لے گئے اور علمی و روحانی نسبتوں کی برکات ظاہر ہوئیں کہ آپ حضرت رائے پوریؒ کے خلیفۂ اعظم قرار پائے۔ قیام پاکستان کے بعد لائل پور (فیصل آباد) میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ جب بھی تشریف لائے تو انوری مسجد اور مولانا محمد انوریؒ کا گھر حضرت کی قیام گاہ ہوتا۔ بعد ازاں اسی گہرے تعلق کی برکت تھی کہ حضرت رائے پوریؒ کے بھتیجے مولانا عبدالجلیلؒ (ڈھڈھیاں شریف سرگودھا) کو حضرت انوریؒ نے اپنی فرزندی میں لے لیا۔ (مولانا عبدالجلیلؒ حضرت انوریؒ کے داماد بنے)۔

یہ رشتہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے حکم سے ہوا، اس سے قبل رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ کے بیٹے مولانا انیس الرحمان لدھیانویؒ حضرت انوریؒ کے داماد بنے، یہ رشتہ بھی حضرت رائے پوریؒ کے حکم سے ہی ہوا تھا۔

۱۹۶۷ء تک مولانا محمد انوریؒ ہی پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے محسن خاص اور انتظامی نمائندے تھے۔ اس مادر علمی اور مرکز رشد و ہدایت کے معاونین حضرت مولانا انوریؒ کی وساطت سے ہی اپنے عطیات دیوبند بھجوایا کرتے تھے۔ اسی خدمت گذاری میں مولانا محمد انوریؒ کل ۶۹ برس کی عمر پا کر دار فنا سے دار بقا کی طرف بروز جمعرات ۱۳/ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ بمطابق ۲۲/ جنوری ۱۹۷۰ء میں رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

پسماندگان میں پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں، جو اللہ تعالی کے فضل سے سب دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہیں۔

آپ کے چند خلفائے کرام:

(۱) ابن الانور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ۔

(۲) محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ (کراچی)۔

(۳) حضرت مولانا عبدالکریمؒ فاضل مظاہر علوم (سہارنپور)۔

(۴) حضرت مولانا عبدالوحیدؒ (ڈھڈھیاں شریف)۔

(۵) حضرت مولانا عبدالجلیلؒ (ڈھڈھیاں شریف)۔

(۶) حضرت مولانا حافظ صدرالدینؒ (کمالیہ)۔

(۷) مولانا مفتی بشیر احمد پسروریؒ۔

(۸) حضرت مولانا سعید احمدؒ (ڈونگا بونگا)۔

(۹) حضرت قاری فضل کریمؒ مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل (لاہور)۔

(۱۰) حضرت مولانا عبدالعزیز فیض پوریؒ۔

(۱۱) حضرت صوفی نور محمدؒ قصبہ جلیانہ (شاہ پور صدر)۔

حضرت انوریؒ کے صاحبزادگان:

(۱) مولانا عزیز الرحمان انوریؒ۔

(۲) مولانا سعید الرحمان انوریؒ۔

(۳) مولانا مسعود الرحمان انوریؒ۔

(۴) مولانا مقبول الرحمان انوری زید مجدہ۔

(۵) مولانا محمد ایوب الرحمان انوریؒ۔

حضرت انوریؒ کی چند تصانیف:

(۱) سیرت خاتم الانبیاء (اردو)۔

(۲) العجالہ (ڈاڑھی کے متعلق شرعی فیصلہ)۔

(۳) مکتوبات بزرگان۔
(۴) احادیث الحبیب المتبرکۃ۔
(۵) أربعین من حدیث لنبی الأمین (صلی اللہ علیہ وسلم)۔
(۶) الصلاۃ یعنی نماز مترجم۔
(۷) انوار انوری (مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وکمالات کا تذکرہ)۔
(۸) ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ۔
(۹) السنن الآثار لسید الابرار (اردو)۔
(۱۰) نطق الانور (علامہ انور شاہؒ کی تقریر ترمذی (قلمی)۔
(۱۱) ترجمہ کتاب خاتم النبیین (قلمی)۔
(۱۲) مکتوبات وملفوظات (قلمی)۔
(۱۳) مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (قلمی)۔
(۱۴) تقلید کیا ہے؟ (قلمی)۔
(۱۵) ردقادیانیت (قلمی)۔
(۱۶) البشارات في حلّ الاشارات۔
(۱۷) الحج المقبول۔
(۱۸) البدور الطالعۃ أعني الشمس البازغۃ۔
(۱۹) نفحات الطیب للنبي الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم (عربی)۔
(۲۰) حیاتِ انور۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ حضرت انوریؒ اوران کے مشائخ واساتذہ کی قبورِ مبارکہ کونور سے بھر دے اور مغفرت کے ساتھ جنت الفردوس میں درجات عالیہ بھی نصیب فرمائے۔ **وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ أجمعین۔**

مختصر حالات خلفاء ومجازین حضرت مولانا محمد انوریؒ

۱۔ حضرت مولانا محمد انظر شاہ کشمیریؒ (دیوبند)
پیدائش: شب براءت ۱۳۴۷ھ۔

آپ امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے چھوٹے صاحب زادے تھے۔
۱۳۷۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد تقریباً تیس سال بخاری شریف جلد ثانی کی تدریس کی۔ ۱۴۰۲ھ سے تاحیات دارالعلوم دیوبند وقف میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

پہلی بیعت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے کی۔ ان کے بعد حضرت مولانا محمد انوری سے اور پھر حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ سے کی۔ حضرت مولانا محمد انوریؒ نے اجازت وخلافت سے نوازا۔ اس کے علاوہ دیگر مشائخ سے بھی اجازت وخلافت حاصل ہے، جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: (۱) حکیم محمد اسلامؒ خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ۔

(۲) حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ کندیاں شریف۔

(۳) حضرت مولانا حکیم محمد اخترؒ کراچی خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحقؒ ہردوئی۔

۲۶/اپریل ۲۰۰۸ء میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ دیوبند میں اپنے والد گرامی کے پہلو میں جگہ ملی۔

خلفاء: خلافت دینے کے بارے میں بہت محتاط تھے، مشہور مجازین کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) مولانا محمد ایوب الرحمان انوریؒ ابن حضرت مولانا محمد انوریؒ فیصل آباد۔

(۲) حاجی سہیل شیخ صاحب۔

(۳) جناب شعیب ملا صاحب انگلینڈ۔

(۴) مفتی محمد خالد صاحب برمنگھم۔

(۵) صاحب زادہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مدظلہ، اور کچھ حضرات کشمیر کے بھی ہیں۔

اولاد:

حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک بیٹا اور چھ بیٹیاں تھیں۔

صاحب زادہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب مدظلہ نے ۱۹۷۹ء میں قدیم دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث کیا، اسی وقت سے تدریس کے شعبے سے منسلک ہیں، اپنے والد گرامی سے اجازت حدیث بھی ہے اور اجازتِ طریقت بھی۔ آپ دارالعلوم وقف دیوبند میں شیخ الحدیث ہیں اور اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ جامعہ امام محمد انور شاہ کے مہتمم ہیں۔ آپ کا ایک صاحبزادہ حافظ سید محمد حمدان شاہ اور تین صاحبزادیاں ہیں۔

مختصر سوانح

حضرت مولانا قاری محمد ایوب الرحمان انوریؒ

نام و نسب:

محمد ایوب الرحمان ابن مولانا محمد انوریؒ۔

ولادت:

آپ ۱۱/اپریل ۱۹۴۶ء کو رائے کوٹ ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔

تعلیم:

ابتدائی تعلیم گھر سے ہی حاصل کی اور حافظ برکت اللہ صاحب کے پاس حفظِ قرآن مجید کا آغاز کیا اور اپنے برادرِ اکبر مولانا حافظ عزیز الرحمان انوریؒ سے حفظ کی تکمیل فرمائی۔ابتدائی کتب کی تعلیم اپنے والد گرامی کے زیر سایہ اپنے مدرسہ تعلیم الاسلام سنت پورہ میں حاصل کی، کچھ کتب برادرِ اکبر مولانا عزیز الرحمان انوریؒ اور باقی دوسرے اساتذہ کرام سے پڑھیں، دورۂ حدیث اپنے والد صاحب سے مکمل فرمایا۔۱۹۶۵ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر ۱۹۶۶ء میں ایبٹ آباد شیخ الباانڈی میں حضرت مولانا عبدالواحد صاحب سے اعزازی طور پر مکرر مشکوٰۃ شریف پڑھی۔حضرت کتب دینیہ کے خریدنے اور ان کے مطالعے کا خاص ذوق رکھتے تھے اور دینی مسائل میں اپنے اکابر علماء دیوبند کی رائے کو حرف آخر سمجھتے تھے۔حضرت انوریؒ کے انتقال کے بعد مولانا ایوب الرحمان انوریؒ نے حضرت انوریؒ کی تصانیف چھپوا کر اہل علم تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔مولانا سلیمان احمد ابن مولانا سید محمد اظہار الحق سہیل نے بھی آپ کو ۲۷/شعبان ۱۴۱۵ھ = ۲۹/جنوری ۱۹۹۵ء کو تحریری سندِ حدیث عطا کی، اس کے علاوہ دیگر علماء سے بھی سندِ حدیث کی اجازت ہے، آپ کو عربی زبان پر بھی عبور حاصل تھا جس کی بدولت عربی کتابوں کا ترجمہ بہ آسانی کر لیتے تھے، عربی میں فی البدیہہ تقریر کرنے کا ملکہ حاصل تھا، عرب ممالک سے آئی ہوئی تبلیغی جماعتوں کی ترجمانی بھی فرماتے تھے۔آپ کی عربی اتنی فصیح تھی کہ امام کعبہ شیخ عبداللہ بن سبیلؒ نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا "أأنت سعودی"؟۔

دینی خدمات

اپنے والد صاحبؒ کے قائم کردہ مدرسہ تعلیم الاسلام سنت پورہ میں تدریس کا آغاز کیا۔ پھر حیدر آباد، لطیف آباد نمبر ۱۰ میں مولانا عبدالعلیم ندویؒ کی مسجد و مدرسہ میں کچھ عرصہ تدریس کی۔ ۱۹۷۹ء میں مدینہ مسجد کلفٹن میں تقریباً پانچ سال امامت وخطابت کی خدمات سرانجام دیں۔ پھر فیصل آباد منتقل ہو گئے اور ذاتی کوششوں سے تین مساجد تعمیر کروائیں۔ مسجد الشرفیہ عاصم ٹاؤن میں امامت وخطابت سنبھالی۔ کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر ستمبر ۱۹۹۸ء میں دوبارہ کراچی منتقل ہو گئے اور ایک مسجد میں اعزازی طور پر خطابت فرمائی۔

بیعت وخلافت

آپ کو آپ کے والد صاحبؒ نے حضرت اقدس رائے پوریؒ سے ہی بیعت کروا دیا تھا، بچپن میں حضرت رائے پوریؒ کی گود میں کھیلے اور لڑکپن میں بھی حضرت کی زیارت وصحبت سے بہرہ ور ہوتے رہے، تقریباً بارہ برس حضرتؒ کی زیارت کی۔ آپ کو بہت سے علماء ومشائخ سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا اور اجازت وخلافت سے بھی نوازے گئے، جن مشائخ سے اجازت حاصل ہوئی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) ابن الانور حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد انوریؒ وخواجہ خان محمدؒ و دیگر مشائخ۔

(۲) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ خلیفہ مجاز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ وحضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ۔

(۳) حضرت قاری محفوظ الحق صاحبؒ (کراچی) خلیفہ مجاز حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئی۔

(۴) حضرت مولانا عبدالجلیل قادری رائے پوریؒ خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ۔

(۵) حضرت مولانا انیس الرحمان لدھیانویؒ خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ۔

(۶) حضرت سید نفیس الحسینی صاحبؒ خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ۔

(۷) حضرت صوفی احمد دین صاحبؒ (راولپنڈی) خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالوحیدؒ ڈھڈیاں وحضرت مولانا سعید احمد ڈونگا بونگا۔

(۸) حضرت مولانا محمد ایوب ہاشمی صاحبؒ (ایبٹ آباد) خلیفہ مجاز خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ (خانیوال)۔

(۹) حضرت مولانا غلام مؤمن شاہؒ (لاہور) خلیفہ مجاز حضرت مولانا غلام ربانیؒ۔

(۱۰) حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ چک نمبر ۱۱، خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ۔

اس کے علاوہ مشائخ کثیر سے اوراد و وظائف کی اجازت حاصل تھی، کراچی میں خانقاہی نظام قائم فرما کر بہت سی جگہوں پر مجالس ذکر شروع کروائیں، ملک کے دیگر شہروں میں بھی خانقاہی نظام ومجالس ذکر کی سرپرستی فرمائی۔

حج وعمرہ

آپ نے پہلا حج ۱۹۵۷ء میں اپنے والد گرامی کے ہمراہ فرمایا اور دوسرا حج ۱۹۸۵ء میں کیا، اس کے علاوہ کئی بار عمرہ کے سفر پر تشریف لے گئے۔

تصانیف

(۱) اپنے والد محترمؒ کی تصنیف کردہ ''اربعین'' کی شرح تحریر فرمائی جو ۸۰۰ صفحات پر مشتمل تھی، لیکن صد افسوس کہ حوادثات زمانہ کی نذر ہوگئی۔

(۲) ایک مختصر چہل حدیث ترتیب دی جو طبع بھی ہوتی رہی۔

(۳) نماز کے بعد اذکار پر ایک رسالہ ''الأربعین فی وظائف بعد الصلاۃ للنبی الأمین'' لکھا جو شائع بھی ہوا۔

(۴) ''اتحاد بین المسلمین کا اخلاقی پہلو'' کے عنوان سے ایک تحریر مرتب فرمائی جو زیر طبع ہے۔

(۵) ''انوار الوظائف'' کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی۔

اس کے علاوہ، مختلف جرائد و ماہناموں میں مضامین کی اشاعت ہوتی رہی۔

وصال پُرملال

انتقال سے تقریباً دو سال پہلے مختلف امراض نے گھیر لیا تھا، جس کی وجہ سے سفر ترک فرما دیا تھا، وصال سے ہفتہ پہلے طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی۔ ۱۲ر رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ کو بعد نماز تراویح غشی طاری ہوگئی اور تا دمِ حیات حالتِ استغراق میں رہے۔ ہسپتال میں بھی منتقل کیا گیا، لیکن حالت بدستور رہی۔ پی این ایس شفا میں کمانڈر عمر ضیاء صدیقی صاحب کے اثر ورسوخ کی وجہ سے کافی سہولت رہی، آپ کے چھوٹے بیٹے محمد راشد انوری اور داماد مولانا عبدالحق صاحب ہر طرح خدمت سرانجام دیتے رہے۔ پھر عزیز و اقارب کے مشورہ سے کراچی سے فیصل آباد منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ ۲۰ر رمضان المبارک کو بعد افطار ایمبولینس پر روانگی ہوئی، آپ کے ہمراہ آپ کے دو صاحبزادے محمد طیب اور محمد راشد اور بیٹی اور داماد مولانا عبدالحق تھے۔ آپ کے سر اور چہرے کے پاس چھوٹے بیٹے محمد راشد تھے، دورانِ سفر اس حالت میں آپ

ان کے سر پر وقفہ وقفہ سے اپنا شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے رہے۔ اگلے روز تقریباً بارہ بجے جب کہروڑ پکا پہنچے تو کچھ دیر کے لیے آنکھیں کھولیں اور پڑھا "أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أنّ محمداً عبدهٗ و رسولهٗ، لا إله إلا الله محمد رسول الله"، اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ إنا لله و إنا إليه راجعون"۔

جنازہ و تدفین

بعد عصر فیصل آباد پہنچے، مسجد انوری کے ملحق کمرے میں آپ کے بھتیجے مولانا خلیل الرحمان انوری نے غسل دیا، ساتھ آپ کے صاحب زادوں محمد طیب اور محمد راشد نے مدد کی۔ زم زم سے بھگوئے ہوئے کپڑے میں کفن دیا گیا، جو کہ آپ کی صاحب زادی نے بھیجا۔ بعد نماز تراویح بڑے قبرستان غلام محمد آباد میں آپ کے برادرِ محترم مولانا مقبول الرحمان انوری نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے والد محترم کے احاطہ قبور میں دونوں بھائیوں مولانا عزیز الرحمان انوریؒ اور مولانا مسعود الرحمان انوریؒ کے درمیان میں تدفین ہوئی۔

وصیت

چونکہ آپ کے سب سے چھوٹے بیٹے محمد راشد انوری تادمِ حیات آپ کے ساتھ ہی رہے، انھیں آپ نے وصیت فرمائی کہ میری تدفین دارالعلوم کراچی کے اندر قبرستان میں کی جائے، چنانچہ صاحبزادہ نے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے اجازت بھی لے لی تھی مگر جو اللہ کو منظور تھا، وہی ہوا۔

منها خلقنٰكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارةً أخرىٰ

ترجمہ: اسی زمین سے ہم نے تمھیں پیدا کیا تھا اسی میں ہم تمھیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے ایک مرتبہ پھر تمھیں نکال لائیں گے۔

دوسری وصیت جو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے پاس حضرت اقدس رائے پوریؒ کی لنگی تھی جس میں حضرت کا انتقال ہوا تھا اور اسی لنگی میں میں آپ کے والد محترمؒ کا انتقال ہوا، فرمایا کرتے کہ میرے کفن پر ڈال دینا۔ اور ایک رومال تھا جو حضرت اقدس رائے پوریؒ حج سے واپسی پر لائے اور آپ کے والد گرامی کو ہدیہ فرمایا تھا وہ بھی سر کی طرف ڈال دیا گیا۔

اولاد

پسماندگان میں آپ کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں:

(۱) محمد قاسم۔ (۲) محمد طیب۔ (۳) محمد راشد۔ آپ نے تمام اولاد کو دینی علوم سے بہرہ مند فرمایا۔

جامع الکمالات

حضرت مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ

مولانا فضیل احمد ناصری
استاذِ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

ہائے یہ گردشِ دوراں مجھے لائی ہے کہاں؟

زمانہ ایک بار پھر قیامت کی چال چل گیا، دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے درمیان سے وہ شخصیت بھی اٹھ گئی، جن کا وجود ہم جیسے ہزاروں کروڑوں کے لیے ہمایوں سائبان تھا، حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفر بجنوری صاحب بھی اسی عالم میں پہونچ گئے، جہاں پہونچنا ہر ذی نفس کا مقدر اور جانا لازمۂ حیات ہے، موت کا جام پینے والوں میں ایک اور نامی گرامی بندے کا اضافہ- انا للہ و انا الیہ راجعون

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

موت کی خبر کسی بھی انسان سے متعلق ہو، وہ عزیز و اقارب کے لیے رلانے دھلانے والی ہی ہوتی ہے اور جانے والا جب سایہ دار شجر بن کر جیا ہو، جس کی مجلسیں اکسیر گر اور صحبتیں کیمیا اثر ٹھہری ہوں، اس کی موت کی خبر جس قدر وحشت اثر ہو سکتی ہے، اس کا اندازہ کچھ وہی لگا سکتے ہیں، جن کے سروں سے کم سنی میں ہی پدری سائبان اٹھ گیا ہے۔

عظیم ترین شخصیت

حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب ہمارے دور کی عظیم ترین شخصیت تھے، ایسی دیدہ ور شخصیت، جس کی تعمیر برسوں میں اور بڑی مشکل سے ہوتی ہے، ایسی بلند و بالا ہستی جس کے دیدار کے لیے نرگس کو ہزاروں سال اپنی بے نوری پر رونا پڑتا ہے- وہ اردو کے زبردست ادیب، مایۂ ناز انشا پرداز، نظم و نثر کے

صاحبِ اسلوب اہلِ قلم اور استعارات وتمثیلات کے امامِ وقت تو تھے ہی، وہ علومِ شریعت کے ممتاز ترین ''رمز شناس'' اور دارالعلوم کے علمی وعملی ترجمان بھی تھے، ان کے اسباق میں شرکت کرنے والے اور ان کی بزمِ علم میں بیٹھنے والے جانتے ہیں کہ وہ علمِ حدیث پر کیسی عمیق نظر رکھتے تھے!

سوانحی اشاریے

نام ریاست علی بن منشی فراست علی، وطن حبیب والا ضلع بجنور، اس جہانِ آب وگل میں 1940 میں انہوں نے آنکھیں کھولیں، ولادت حکیم سرائے علی گڑھ میں ہوئی، جہاں ان کے والد بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے- ابتدائی تعلیم چہارم تک اپنے وطن میں ہی پائی، علومِ عالیہ کے لیے ان کے پھوپھا مولانا سلطان الحق بجنوری انہیں دیوبند لے آئے- مولانا سلطان صاحب بڑے طرح دار اور مقناطیسی انسان تھے، دارالعلوم دیوبند کی لائبریری کے ناظم اور علمی نشستوں کے رسیا، جب تک وہ حیات رہے اساتذۂ دارالعلوم کے لیے ان کی مجلس بزمِ کمال بنی رہی، فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ ان کے قصے بڑے چاؤ سے سناتے، حضرت الاستاذ نے اپنے پھوپھا کی سرپرستی میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور چند برس متواتر اس کے خوانِ علم ومعرفت سے زلہ ربائی کرتے رہے، یہ وہ دور تھا، جس میں حضرت شیخ الہند کے تلامذہ مسند آرائے درس تھے، حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی، حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادی وغیرہم، حضرت الاستاذ مرحوم کو ان سب سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا، 1958 میں دارالعلوم سے فراغت پائی-

دارالعلوم میں تدریس

صیغۂ طالب علمی سے نکلے تو اشاعتِ اسلام کو اپنا شیوہ بنالیا، فراغت کے بعد ۱۳ برسوں تک اپنے خاص الخاص استاذ حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادی کی آغوشِ تربیت میں رہے اور تعمیرِ شخصیت میں وقت لگایا- ان کی ظفر نصیبی کہ اساتذۂ دارالعلوم کی جوہر شناس نگاہوں نے ان کے روشن مستقبل کی جھلک دیکھ لی تھی، چناں چہ وہ وقت بھی آیا کہ 1972 میں دیوبند مدعو کر لیے گئے، پھر تدریس کا سلسلہ جو یہاں چلا تو پینتالیس برسوں تک دراز ہوگیا، ان برسوں میں انہوں نے ابتدا تا انتہا تقریباً ہر علم وفن کی کتابیں پڑھائیں- تکمیلات میں بھی ان کے علمی جواہر پاروں سے اخذ والتقاط جاری رہا- طویل مزاولت اور وابستگی کی بنا پر فنِ حدیث سے خصوصی مناسبت تھی، وہ اس علم کے ہر کوچہ وبرزن سے آشنا تھے، اس کی نزاکتیں، باریکیاں، نکتہ آفرینیاں اور موشگافیاں ان کے سامنے دو اور دو چار کی طرح واشگاف تھیں- دورۂ حدیث کے اسباق

ایک طویل عرصے تک ان سے ہم رشتہ رہے، میں نے ان سے ابن ماجہ پڑھی ہے، ادھر کچھ برسوں سے ترمذی شریف کا درس ان سے متعلق ہو گیا تھا، ہفتم اولی میں انہوں نے مشکوٰۃ شریف کے بھی کامیاب دروس دیے۔

تدریسی خوبیاں

تدریس سے انہیں بڑا لگاؤ تھا، یہی وجہ ہے کہ اسباق کا ناغہ ان کے یہاں متصور ہی نہ تھا، بڑی مستعدی اور چستی سے درس گاہوں میں پہونچ جاتے، تدریس سے یہی شیفتگی اور ذمے داری کا یہی احساس تھا کہ اسفار سے دور دور ہی رہتے، کوئی ناگزیر موقع ہو تو بات دِگر ہے، وہ چاہتے تو خطابت کے اسٹیج پر بھی حاوی ہو سکتے تھے، مگر انہوں نے اس طرف کبھی توجہ ہی نہ دی، ان کی تقریریں متعدد مواقع پر میں نے سنی ہیں، وہ جیسا بولتے تھے، اگر چاہ لیتے تو اس میدان کے بھی شہ سوار بن کر نکلتے، سفر سے یہی وحشت اور نفرت تھی کہ ان کے اسباق حسبِ معمول چلتے، روایت بھی، درایت بھی - نہ رواروی، نہ بھاگم دوڑ - ان کی کتابیں بڑی آسانی سے نصاب تک پہونچ جاتیں -

ان کے دروس کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ وہ نہایت سادہ، مختصر اور دل کش جملوں میں مشکل مقامات ومضامین کو حل کر دینے کی صلاحیت سے مالا مال تھے، تعارضِ اقوال یا متعارض احادیث پر اطمینان بخش، خوب صورت کلام اور قابل قبول تطبیق ان کی تدریس کا حصہ، اختلافی موضوعات پر دامن بچا کر گزر جانا ان کا نمایاں ترین وصف تھا، فقہی مسائل میں اختلافِ ائمہ کی توضیح کرتے وقت کسی کے خلاف سخت اور نازیبا تبصروں سے تابمقدور بچتے اور کسی ناروا کلام کے بغیر ہی احناف کے موقف کی تائید وترجیح دل چسپ انداز میں کرتے، سبھی ائمہ ان کے منظورِ نظر تھے اور طلبہ کو بھی یہی تلقین تھی کہ اختلافِ مواقف اور انتشارِ آرا کے باوجود سارے ائمہ ہمارے سر آنکھوں پر ہیں، ان کا احترام ہم پر فرض ہے - کمزور گفتگو نہ وہ کرتے تھے، نہ کرنا جانتے تھے، تقریر کے لیے ایسے جملے اور تعبیرات اختیار کرتے کہ سن کر طبیعت باغ و بہار ہو جاتی - ہم لوگ ان کی تدریس میں علمیت اور ادبیت دونوں طرح کے چٹخارے پاتے -

دار العلوم کی دیگر ذمے داریاں

تدریسی صلاحیتوں کے ساتھ انتظامی صلاحیتیں بھی ان میں بدرجۂ اتم موجود تھیں، وہ دار العلوم میں ''معاونِ مہتمم'' بھی رہے، ناظمِ مجلسِ تعلیمی بھی اور ناظمِ تعلیمات بھی - ان کی نظامتِ تعلیم کا عہد بڑا ازریں رہا ہے - طلبہ کے لیے مفید ترین فیصلے کرتے، خوب صورت اصلاحات سے انہوں نے اساتذہ اور طلبہ کے دلوں

میں اپنا گھر بنالیا تھا- حضرت مولانا مرغوب الرحمن بجنوری مرحوم کے بعد اہتمام کے لیے جن شخصیات کے نام بہ کثرت گردش میں آئے، ان میں حضرت الاستاذ کا اسم گرامی بھی تھا، تاہم بار بار مواقع ملنے کے باوجود اس سے دامن کش رہے، البتہ مہتمم سازی میں ان کے مشورے ضرور کارفرما رہے-

قلمی خدمات

تدریس کے علاوہ حضرت الاستاذ نے قلم کی راہ سے بھی پائیدار کام لیے، مشہورِ زمانہ قضیۂ نامرضیہ کے بعد انہوں نے دارالعلوم کے ماہانہ ترجمان: رسالہ ''دارالعلوم'' کی ادارت بھی انہوں نے سنبھالی، وہ بہت سبک اور رواں لکھتے تھے، نپے تلے جملے، رعنا ترکیبیں، جان دار محاورے، شگفتہ اسلوب ان کی تحریری ادائیں تھیں- ان کی زبان میں وہ سحر تھا کہ قاری اس میں کھوجاتا تھا، لیکن دیگر علمی مشاغل کے باعث یہ ادارت زیادہ نہ چلی، دارالعلوم کا تحقیقی وتصنیفی شعبہ بنام ''شیخ الہند اکیڈمی'' کھلا تو اس کا نگراں انہیں ہی مقرر کیا گیا، ان کی نگرانی کا دور اکیڈمی کا نہایت تاباں دور رہا ہے، درجنوں علمی وتحقیقی کتابیں اکیڈمی سے وجود میں آئیں- حضرت الاستاذ کی خود بھی کئی تالیفیں ہیں، ان کی کتاب ''شوریٰ کی شرعی حیثیت'' اردو زبان میں اپنے موضوع پر اکیلی اور منفرد کتاب ہے، اس سے ان کی وسعتِ مطالعہ، دقتِ نظر، ذوقِ کتب بینی، سرعتِ قلم اور استنباطی طبیعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، یہ ضخیم ترین کتاب دارالعلوم کے مکتبے سے شائع ہوکر شہرتِ دوام حاصل کر چکی ہے، لیکن ان کی علمی گہرائی اور حدیثی مذاق کا اصل تعارف ''ایضاح البخاری'' ہے، تلمیذِ کشمیری فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادی مرحوم کے اسباقِ بخاری کو انہوں نے جس کمالِ مہارت اور چابک دستی سے قلم بند کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے- کئی جلدوں پر مشتمل یہ کتاب حلِ بخاری کے ساتھ علومِ اسلامیہ کا گراں قدر سرمایہ ہے، کوئی بھی اہلِ علم اس سے صرفِ نظر نہیں کرسکتا- اس کے بقیہ حصوں پر کام چل رہا ہے، امید ہے کہ پوری بخاری کی شرح عن قریب ہی ہمارے ہاتھوں میں ہوگی-

شعر وادب کا کوہِ نور

حضرت الاستاذ کی اردو سے وابستگی سدا ہی ''شہرۂ آفاق'' رہی ہے، وہ ایک کامل سخن ور تھے، الفاظ کی نازک مزاجی سے آگاہ اور انہیں برتنے کا فقید المثال شعور رکھے ہوئے- نثر کے ساتھ شعریات میں بھی انہیں قابلِ رشک ملکہ حاصل تھا، وہ شاعری کی ہر صنف پر کامل دستگاہ رکھتے، انتہائی ڈھلی ہوئی اور سلیس

زبان، لطیف اور بامزہ تعبیرات، دل آویز اور نشاط انگیز جملے۔ تخلص ''ظفرؔ'' تھا، ان کا مجموعۂ کلام ''نغمۂ سحر'' چھپ کر اربابِ علم وادب سے داد وتحسین وصول کر چکا ہے، لیکن ترانۂ دارالعلوم کو جو شہرت نصیب ہوئی، ویسی کسی بھی عالم کی نظم وغزل کے حصے میں نہیں آئی- دارالعلوم کے فضائل ومناقب کو بہتوں نے اشعار میں پرویا، متعدد مشاقوں نے شعری جولانیاں دکھائیں، ممتاز کہنہ مشقوں نے طالع آزمائی کی، تاہم حضرت الاستاذ کا ترانہ سارے ترانوں پر اسی طرح چھا گیا، جس طرح دارالعلوم دیوبند سارے عالم پر۔

ترانۂ دارالعلوم دیوبند

ترانے کی بات آ گئی تو عرض ہے کہ ترانۂ دارالعلوم، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طرز پر ہے-مشہور شاعر اسرار الحق مجاز لکھنوی نے یونیورسٹی کے لیے خوب صورت ترانہ لکھا تھا، یہ لب ولہجہ اور آہنگ واسلوب میں منفرد اور زوردار تھا، صدسالہ اجلاس کے موقعے پر حضرت الاستاذ نے دارالعلوم کے ترانے کے لیے اسی زمین کا انتخاب کیا اور کیا غضب کی شاعری کی!!! افکار وخیالات کا وہ بہاؤ اور تموّجِ جذبات کے وہ نمونے کہ قاری پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، ترانے کی زبان اتنی معیاری اور حلاوت وچاشنی سے اپنی بھرپور الاماشاءاللہ ہی دیکھی جاتی ہے- اشعار میں ناموں کو سمونا بے حد مشکل کام ہے، لیکن مولانا کا کمال یہ ہے کہ اپنے ترانے میں انہوں نے بیسیوں نام شامل کیے اور اس خوبی سے کہ نام کا نام ہے اور مفہوم کا مفہوم، شعریت کے اس کمال میں ان کا کوئی ثانی نہیں، ایک شعر آپ بھی دیکھیے ؎

رومی کی غزل، رازی کی نظر، غزالی کی تلقین یہاں

روشن ہے جمالِ انور سے، پیمانۂ فخر الدین یہاں

مقابلہ اور موازنہ کیجیے تو ترانۂ دارالعلوم کے سامنے ترانۂ علی گڑھ کی وہی حیثیت ہے جو چاند کے سامنے تاروں کی۔ اب تو اس کی تقلید میں اتنے ترانے وجود میں آ گئے ہیں کہ شمار سے باہر۔

بہترین خوش نویس

ان سب کے ساتھ وہ خوش نویس بھی تھے، اقتصادی ناہمواری کے دور میں انہوں نے اپنے اس فن سے خوب کام لیا اور نانِ شعیر کی مشکلات سے خوب صورتی سے جان چھڑائی- ان کا خط بہت ہی حسین اور جاذبِ نظر ہوتا، چھوٹے چھوٹے اور متوازن وپختہ خط دیکھ کر طبیعت عش عش کر اٹھتی- معلوم ہوتا کہ قلم سے حروف والفاظ نہیں، موتی نکلے ہیں- ان کے خطوط کے کئی نمونے میری نگاہوں سے بھی گزرے ہیں۔

رفتارِ زمانہ پر عقابی نظر

حضرت الاستاذ رفتارِ زمانہ سے بھی باخبر رہتے، بعدِ عصر کی مجلسوں میں بالعموم عصرِ رواں پر تبصرے ہوتے، سیاست کے زیر و بم اور حکومتی رجحانات ومیلانات پر جچے تلے تبصرے کرتے، ان کی متعدد مجالس میں باریابی کی سعادتیں مجھ سیاہ نامہ کو بھی نصیب ہوئی ہیں۔

مرکز جماعتِ تبلیغ کے سلسلے میں حضرت الاستاذ کا موقف

علمائے دیوبند اور افکارِ دیوبند سے انہیں دل وجان سے محبت تھی، وہ انہیں ٹوٹ کر چاہتے اور حتی الامکان ان کے تحفظ کے لیے کوشاں رہتے۔ حال ہی میں ''جماعتِ تبلیغ'' کا تنازع سامنے آیا اور بات نے خطرناک رخ لیا تو اس وقت حضرت الاستاذ کا موقف سب سے جدا تھا، مولوی سعد کاندھلوی کے متفردانہ افکار وخیالات اور منہجِ دیوبند سے منحرف تقریروں پر دارالعلوم سے جب وضاحت اور موقف معلوم کیا گیا تو ادارے کے اہم اساتذہ سر جوڑ کر بیٹھے، سب کی رائے یہی تھی کہ ان کا رَد کرتے ہوئے دارالعلوم کا موقف دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، جب کہ حضرت الاستاذ کا نظریہ یہ تھا کہ اس قضیے کو باہمی گفت وشنید سے ہی حل کر لیا جائے اور مولوی سعد کاندھلوی کو دیوبند بلا کر یا اساتذۂ دارالعلوم کو مرکز نظام الدین جا کر افہام وتفہیم کی جائے، ان کی یہ رائے تسلیم نہیں ہوئی اور دارالعلوم کا موقف برسرِ عام آ گیا۔ اس موقف پر حضرت الاستاذ کے سوا سب کے دستخط تھے، موقف کا آنا کہ طوفان کھڑا ہو گیا، موافقتوں کے ساتھ مخالفتیں بھی خوب ہوئیں، عوام کا ایک طبقہ دارالعلوم سے علانیہ متنفر نظر آیا۔ پھر مرکز کی جانب سے معذرت کے نام پر جواب اور جواب الجواب کا جواذیت ناک سلسلہ چلا، اس سے کوئی اہلِ نظر بے خبر نہیں۔

اخلاقِ فاضلہ اور احساسِ مروت

علم وفضل اور زبان وادب میں فائقیت کے علاوہ حضرت الاستاذ کی ایک بڑی خوبی ''احساسِ مروت'' اور ''خورد نوازی'' بھی تھی، ان سے ملنے والا خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، مل کر لوٹتا تو یوں محسوس کرتا کہ کوئی گنجِ گراں مایہ اپنی گرہ میں لے کر لوٹا ہے۔ طالب علمی کے دور میں حضرت الاستاذ شیخ عبدالحق صاحب مرحوم کے علاوہ میرا کسی سے رابطہ نہ تھا، شیخ صاحب سے ربط کی وجہ والدِ مرحوم حضرت مولانا جمیل احمد ناصری سے رفاقتِ قدیمہ تھی، میں 2008 میں جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند میں بحیثیت ''مدرّس'' آیا اور اس کے ترجمان: ماہنامہ ''محدثِ عصر'' سے بھی وابستگی ہوئی تو اساتذۂ دارالعلوم سے تعارف اور رابطے ہوئے۔ حضرت الاستاذ کے چھوٹے فرزند محترم مولانا سعدان جامی صاحب زید مجدہم جامعہ میں ہمارے ساتھ پڑھاتے

ہیں، انہیں کی وساطت سے ایک دن حضرت کی خدمت میں پہونچا اور مولانا سعدان صاحب نے تعارف کرایا تو فرمانے لگے: ماشاءاللہ! آپ ہی ناصری صاحب ہیں! ''محدثِ عصر'' میں آپ سے تو ہر ماہ ملاقات ہو جاتی ہے- بڑی دیر تک مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں، مجھے بالکل نہیں لگا کہ ایک عظیم ترین شخصیت ایک ''ہیچ مداں'' طالب علم سے محوِ کلام ہے، بلکہ یوں لگا کہ کوئی قدیم مہربان اپنی فرمائیاں نثار کر رہا ہے- میری کتاب ''تفہیمِ اِلہامی'' شرح اردو منتخب الحسامی پر ان کے تاثرات بھی ثبت ہیں-

اس ملاقات کے بعد پھر یہ سلسلہ برسوں چلا، وہ ہر ملاقات میں حوصلہ بڑھاتے، دل جوئی کرتے- چند ماہ پیش تر شدید بیمار پڑے اور ''سنگینیٔ احوال'' کی خبر ذرائعِ ابلاغ میں گردش کرنے لگی تو میں بھی ان کی عیادت کو ''ڈی، کے، جین'' پہنچا، مل کر اتنا خوش ہوئے جیسے وہ علالت سے دو چار نہ ہوں، بلکہ آرام کی غرض سے یہاں چلے آئے ہوں- اس عائدانہ ملاقات میں انہوں نے میرے نام کے لاحقے ''ناصری'' کی مناسبت سے کئی ایسے اشعار سنائے جن میں ''ناصری'' آتا ہے، پرانے دور میں مصر کی خونیں کشمکش کی آئینہ دار ایک طویل نظم کا یہ مصرع بطور خاص سنایا:

اور اخوانی لہو سے ہے جمالِ ناصری

اور جب ہسپتال سے رخصت ہونے لگا تو اختر شیرانی کا یہ شعر انہوں نے برجستہ سنایا ؎

سامنے ہوں تو فدا کردوں دل و جاں ان پر
میں نہیں جانتا اختر کہ عیادت کیا ہے؟

ان سے مل کر ایسا لگا کہ برسوں کا بچھڑا ہوا بیٹا اپنے باپ سے گلے مل رہا ہے-

یادش بخیر

حوصلہ پروری اور بندہ نوازی کی بات آ ہی گئی ہے تو لگے ہاتھوں یہ عرض بھی کر ہی دیا جائے کہ مجھ خاکسار کو شعر و سخن سے پندرہ سولہ کی سن سے ہی دل چسپی رہی ہے- دارالعلوم میں میرا داخلہ عربی ششم میں ہوا اور ۱۹۹۸ میں وہاں سے فراغت پائی، طلبۂ دارالعلوم کی یہ روایت چلی آ رہی تھی کہ وہ دورۂ حدیث کے سال میں ساتھیوں کی یادداشت اور رابطے کے لیے ڈائری شائع کرتے، ہمارا سال آیا تو اس پر قدغن لگ چکی تھی، ہمارے احباب کی ملتجیانہ درخواستیں بھی ان سنی کر دی گئی تھیں، رفقا نے صورت یہ نکالی کہ بجائے ڈائری کے ایک کتابچہ ترتیب دیا جائے، جس میں الوداعی ترانے اور اساتذہ کی سندیں درج ہوں، تعلیمات نے منت سماجت کے بعد اس کی اجازت دے دی تھی، ایک الوداعی ترانہ میرے قلم سے بھی تھا، صاحب

زادہ محترم مولانا سعدان جامی صاحب بھی میرے رفقاے درس میں تھے، ان کی خواہش تھی کہ ان کی طرف سے بھی ایک ترانہ شریکِ اشاعت کیا جاے، وہ شاعر تو نہیں، مگر شعر وسخن کا اچھا مذاق رکھتے ہیں، ان کے تین بھائیوں میں سے دوسرے قاری عدنان صاحب (امریکہ) چند سال پہلے ہی فارغ ہوے تھے، ان کے قلم سے الوداعی ترانہ پہلے کا موجود تھا، مولانا سعدان صاحب وہی لے آے اور کہنے لگے کہ ضروری ترمیم کے بعد اسے ہی چھاپ دو! ترمیم کے لیے قرعۂ فال میرے نام نکلا، میں نے آٹھ مصرعے اسی زمین میں لکھ دیے- ترجمان نے وہ مصرعے حضرت الاستاذ کو دکھاے، انہوں نے رکھ لیا اور دوسرے وقت ترجمان کو آنے کی تلقین کی، ترجمان صاحب گئے اور واپس آے، کہنے لگے کہ یہ آپ کے مصرعے ہیں اور یہ حضرت کے- انہوں نے کہا ہے کہ دونوں کا وشیں یکساں ہیں، یا تو فضیل ناصری کے اشعار شریک کرلو، یا میرے اشعار کو جگہ دے دو! میں نے دیکھا تو خیالات بھی ہم آہنگ تھے اور الفاظ بھی کچھ ملتے جلتے- میں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے صادق مظفر نگری سے کہا حضرت کے مصرعے ہی شامل کرلیں، چناں چہ انہیں ہی شامل کرلیا گیا- یہ مختصر رسالہ میرے تجویز کردہ نام ''نغمہ ہاے فراق'' کے عنوان سے شائع ہوا-

خانوادۂ انوری سے لگاؤ

خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی نسبت پر خانوادۂ انوری سے بڑا لگاؤ رکھتے اور موقع بہ موقع اس کا اظہار فرماتے، جامعہ امام محمد انور شاہ دیو بند میں بارہا تشریف لاے اور دعاؤں سے نوازا، اس کا بیش قیمت ترانہ انہیں کے قلم سے ہے، جو ہر اہم موقعے پر پڑھا جاتا ہے، جامعہ کی ''مسجدِ انور شاہ'' کی پیشانی پر اشعار کی لگی تختی بھی حضرت کی ہی مرہونِ منت ہے، اس کے ماسوا بانئ جامعہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری مرحوم کا ''لوحِ مزار'' انہیں کی عبارات اور شعر سے مزین ہے- ان سے آخری ملاقات جامعہ میں ہی ہوئی تھی-

وہی چراغ بجھا، جس کی لو قیامت تھی

جس دن ان کی رحلت ہوئی، میں رمضان کی رخصت پر اپنے وطن بہار میں تھا، بتاریخ ۲۰/مئی ۲۰۱۷ کو علی الصباح میرے رفیقِ جامعہ: محترم مولانا ابوطلحہ اعظمی کا فون آیا، پھر متعدد مقامات سے لگاتار کئی فون آے کہ حضرت الاستاذ کا آج چار بجے شب وصال ہوگیا ہے تو میں چکرا کر رہ گیا، مجھے یقین ہی نہ آیا، ابھی سالانہ امتحان کے موقعے پر برادرم مولانا سعدان صاحب سے حال احوال معلوم کیے تھے اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں تھی، لیکن یہ کیا! اچانک ہمارے درمیان سے اٹھ گئے! دعا، نہ سلام- حضرت الاستاذ ایسے

وقت میں رخصت ہوے کہ مدارس بند تھے، اساتذہ اور طلبہ اپنے گھروں کو جا چکے تھے، تاہم بھیڑ وہی رہی، جو تعلیمی ایام میں ہوا کرتی ہے- ہم جیسے حرماں نصیب دعاے مغفرت کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتے اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟

ایسا لگتا ہے کہ موت کی تیاری حضرت نے بہت پہلے سے کر رکھی تھی، اپنی روانگی کا اندازہ بھی شاید انہیں ہو چکا تھا- اہلیہ کے وصال کے بعد وہ پہلے ہی بجھ گئے تھے- حضرت مولانا عبدالرحیم بستویؒ کے سانحۂ ارتحال کے بعد جو تعزیتی اجلاس منعقد ہوا تھا، اس میں حضرت الاستاذ نے بطورِ خاص شرکت فرمائی اور جب خطاب کا موقع ملا تو فرمایا کہ جانے کی باری میری تھی، مگر مولانا چلے گئے- ان کی یہ تقریر اتنی دل پذیر تھی کہ آج بھی تازہ ہے، یوں بھی ان کے خطبات دل پذیری سے خالی ہی کب ہوتے تھے؟

اب حضرت ملکِ عدم کے باسی ہو گئے، اس عالمِ آب وگل میں ہنستے مسکراتے ہمیں کبھی نہیں ملیں گے، ان کی ہشت پہلو شخصیت چلتے پھرتے اب کہیں نظر نہیں آے گی، ان سے مل کر لہو گرمانے کا موقع اب کبھی نہ ملے گا، ہاں! گورستانِ قاسمی میں ان کا مزار ضرور مل جاے گا، جہاں صرف خاک ہوگی، جی ہاں صرف تودۂ خاک- انہیں سمجھنے اور ان سے استفادے کے لیے اب کتابیں کھنگالنی پڑیں گی، ہنستے مسکراتے اور جیتے جاگتے شاید وہیں مل سکتے ہیں، اور کہیں بھی نہیں۔

سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

یادیں بھی بہت سی ہیں اور باتیں بھی بے شمار- بہت کچھ لکھنا چاہ رہا تھا، مگر شغلِ مسلسل میری آرزو کی تکمیل میں سدِ راہ ہے- مخدوم گرامی حضرت مولانا عبداللہ ابن القمر صاحب زید مجدہم کے حکم پر یہ عجالہ پیشِ خدمت ہے، یہ مضمون حضرت الاستاذ کی حیاتِ طیبہ پر بس ایک طائرانہ تبصرہ ہے، حق جل مجدہ نے ان سے جو کام لیا، انہیں سمیٹنے کے لیے ایک مستقل کتاب چاہیے- ان کے لاکھوں تلامذہ اور ہزاروں معتقدین ومتوسلین کی طرح میں بھی غم واندوہ سے نڈھال اور صدمات سے چور ہوں:

اب ان کے بعد ہے ہر صبح، روزِ حشر کی صبح
اب ان کے بعد ہے ہر شام، شامِ تنہائی

فرحمه الله رحمة واسعة

***

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث جامعہ ہذا

جدید وقدیم داخلے کی کارروائیاں مکمل

دفتر تعلیمات کے اعلامیے کے مطابق جامعہ 7 شوال کو ہی کھل گیا، قریب وبعید علاقے سے تعلق رکھنے والے سارے اساتذہ وقتِ مقررہ پر تشریف لے آے، 7 شوال سے جدید داخلے کی کارروائیاں جاری ہوئیں جو 20 شوال تک چلیں، امسال طلبہ کا رجوع گزشتہ برسوں کے مقابلے میں فزوں تر رہا، تمام ہی جماعتوں میں داخلے کی درخواستوں کی کثرت دیکھنے میں آئی، امتحانات بیش تر تحریری ہوے اور چند ایک تقریری بھی، ان امتحانات میں معیاری نمبرات لانے والوں کو ان کی مطلوبہ جماعت میں داخلہ دیا گیا۔

داخلے کے بعد وضع قطع کی جانچ عمل میں آئی، ساتھ ہی ہر طالب علم کی تلاوت قرآن بھی سنی گئی، تاکہ تجوید اور تلاوت کے اصول سے ان کی آگہی کا معیار پرکھا جاسکے اور معیار پر نہ اترنے والے طلبہ کو قواعدِ تجوید کی رعایت کے ساتھ تلاوتِ قرآن کا عادی بنایا جاسکے۔

قدیم طلبہ بھی اپنی تعطیل کلاں گزار کر 17 شوال کو آ گئے اور ضروری کارروائیوں سے گزر کر اپنی تعلیمی مصروفیات میں مشغول ہو گئے۔

تعلیم کا آغاز

جدید وقدیم داخلاتی کارروائیوں کی تکمیل کے بعد دفتر تعلیمات نے 22 شوال سے تعلیم کے باقاعدہ آغاز کا ہدایت نامہ جاری کر دیا، جس کے مطابق سارے ہی درجات کی تعلیم شروع کر دی گئی۔ درجۂ فارسی، عربی اول تا دورۂ حدیث، تکمیل افتا، تکمیل ادب، درجۂ حفظ اور درجۂ ناظرہ اپنی اپنی مہمات میں مصروف ہو گیا، ماہانہ مقدار خواندگی کی تحریر بھی اساتذہ کے نام جاری کر دی گئی، سارے اساتذہ اسی کی روشنی میں اپنا تدریسی قدم آگے بڑھا رہے ہیں۔

درجۂ اعدادیہ کا قیام

جامعہ میں عربی تعلیم کا چھ سالہ نصاب رائج ہے، لیکن اس میں پریشانی یہ تھی کہ جو طلبہ براہِ راست شعبہ تحفیظ القرآن سے عربی اول میں آرہے تھے، انہیں مبادیات کا علم نہ ہونے کے سبب جماعت سے ہم آہنگی میں دقتوں کا سامنا تھا، جامعہ نے اس کے حل کے لیے اعدادیہ کے نام سے ایک نیا درجہ تشکیل دیا، اس درجے میں نحو وصرف اور فارسی کی ابتدائی کتابیں ہیں، جن کی تفہیم کے بعد عربی اول کا درجہ ان کے لیے نامانوس نہیں رہ جائے گا، الحمدللہ اس درجے میں بھی طلبہ کی بڑی تعداد موجود ہے۔

درجۂ ناظرہ کی شروعات

درجۂ اعدادیہ کے ساتھ جس درجے کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی تھی ان میں درجۂ ناظرہ بھی ہے، بعض طلبہ ناظرہ خوانی میں خامیوں کے باوجود درجہ حفظ میں داخلے کے آرزومند رہتے، جس سے انہیں درجۂ تحفیظ میں شدید مشکلات کا سامنا تھا، مقام شکر ہے کہ اس درجہ تشکیل کے ساتھ ہی ان طلبہ کی پریشانیوں کا حل نکل آیا۔

نئے اساتذہ کی تقرریاں

درجۂ اعدادیہ اور درجۂ ناظرہ کی تشکیل کے پیش نظر چند اساتذہ کی تقرریاں بھی عمل میں آئیں، درجات عربی کے لیے مولانا مفتی عبیدانور شاہ قیصر دیوبندی، ابتدائی درجوں میں علوم عصریہ کے لیے مولانا جمیل احمد دیوبندی اور ناظرہ کے لیے مولانا محمد ثاقب دیوبندی کا تقرر ہوا۔ ان جدید اساتذہ کی خدمات بھی جاری ہوچکی ہیں۔

تعلیمی نظام میں جزوی ترمیم

امسال سے جامعہ میں اوقات تدریس سے متعلق جدید نظام متعارف کرایا گیا ہے، اس سے قبل یہاں تدریسی دورانیے 45،45 پر مشتمل ہوا کرتے تھے، اس طرح صبح اور شام ملاکر 9 گھنٹیاں ہوتی تھی، نئے نظام کے تحت یہ دورانیے بڑھاکر 60 منٹ کردیے گئے ہیں اور تدریس کے کل گھنٹے چھ۔ اس نظام کی آمد سے نصابی کتابوں میں کچھ ترمیمات ہوئی ہیں، امید ہے کہ یہ نئی ترمیمات طلبہ کی مستقبل سازی میں مؤثر کردار ادا کریں گی اور تکمیلِ نصاب کے مراحل میں بھی دشواریاں نہیں رہیں گی۔

بعد مغرب کی نگرانی

جامعہ کے تعلیمی نظام کو مزید مستحکم بنانے کے لئے مغرب بعد اساتذہ کی نگرانی کا سلسلہ بھی جاری ہے، امسال مولانا مفتی نثار خالد قاسمی زیدمجدہم اور مولانا ابوطلحہ اعظمی صاحب زیدمجدہم کو اِس کا نگراں مقرر کیا گیا ہے، پچھلے سال تمام جماعتوں کے طلبہ مطالعہ اور مذاکرہ کی مصروفیات دارالحدیث انور ہال کے تحتانی حصے میں انجام دیتے تھے؛ لیکن فی الوقت تعمیری مصروفیات کے پیش نظر جامعہ کی قدیم عمارت اور مسجد انور شاہ میں طلبہ اپنی تعلیمی مہمات سرانجام دے رہے ہیں، جن کی باقاعدہ مذکورہ دونوں اساتذہ نگرانی کرتے ہیں، تحتانی حصے کی تکمیل کے بعد مغرب بعد کی سرگرمیاں پھر وہیں منتقل ہوجائیں گی۔

جشنِ آزادی کی خوبصورت تقریب کا انعقاد

پندرہ اگست کی مناسبت سے گذشتہ سالوں کی طرح ایک شاندار تقریب کا انعقاد عمل میں آیا، جس کی صدارت رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم نے فرمائی، جب کہ نظامت احقر فضیل احمد ناصری نے کی، اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن اور نعت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا، خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے حضرت رئیس الجامعہ مدظلہٗ نے فرمایا کہ پندرہ اگست کا دن ہمارے لیے ہر طرح سے خاص ہے، اسی تاریخ میں ہمارا ملک انگریزوں کی طویل غلامی سے آزاد ہوا تھا، آپ نے فرمایا کہ ملک کی یہ آزادی صدیوں کی کوششوں کی مرہونِ منت ہے، حریّت ہند کی تحریک کی بنیاد ہمارے اکابر نے ہی رکھی تھی، استخلاصِ وطن کے لئے انہوں نے سر پہ کفن باندھا، جان کے نذرانے پیش کئے، بے شمار علماء دار ورَسن پر جھولے، تیغ وتوپوں اور دھماکہ خیز مادوں کا بے جگری سے سامنا کیا، پورا ملک ہمارے اسلاف کے خون سے نہا گیا؛ مگر ان کے عزائم میں کوئی تزلزل پیدا نہیں ہوا، یقیناً تحریک آزادی کے اس پُرخار سفر میں دیگر برادرانِ وطن بھی شامل ہیں؛ لیکن ہماری شراکت سب پر فائق رہی، آپ نے مزید فرمایا کہ اپنے اسلاف کے کارناموں کو یاد رکھنا اپنی بقاء کے لئے بے حد ضروری ہے۔ جامعہ کے استاذ حدیث مفتی وصی احمد قاسمی زیدمجدہم نے کہا کہ اس ملک کی انسانی آبادی کا آغاز حضرت آدمؑ سے ہوا، وہ اولین ہندوستانی ہونے کے ساتھ اولین پیغمبر بھی تھے، انبیاء مسلمانوں کے مورث اور مسلمان ان کے وارث ہوتے ہیں؛ لہٰذا اس ملک کے پہلے شہری اور ان کی وراثت کے امین ہیں، جامعہ کے سینئر استاذ حدیث مولانا عبدالرشید بستوی زیدمجدہم نے کہا کہ ہمارے اسلاف کی محنتوں کے نتیجے میں ملک تو آزاد ہوگیا؛ مگر ہمارے ساتھ جو سلوک ہوا اور ہو رہا ہے وہ سراسر سوتیلا اور نازیبا ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان

دوسرے ملک سے آکر یہاں آباد ہوئے؛ حالاں کہ آزادئ وطن کی داغ بیل ہمیں نے ڈالی تھی اور ہم ہی کئی دہائیوں تک اکیلے محاذ سنبھالے رہے۔ استاذ حدیث مولانا مفتی نثار خالد قاسمی زید مجدہم نے کہا کہ مجھے حیرت کہ ہمارے بڑوں نے سر دھڑ کی بازی لگا کر میدان کو سر کیا؛ مگر ان کے کارناموں سے نسلِ نو ناواقف ہے، اس کی بڑی بدقسمتی ہے، یہی حالت رہی تو اُن کے نقوشِ قدم پر چلنے کی ہماری نسل میں جرأت کہاں سے آئے گی، احقر فضیل احمد ناصری نے کہا کہ تحریک آزادی میں ہماری تاریخی پیش قدمیوں اور بے مثال شراکتوں کے بعد ہمیں نسیامنسیا کر دیا گیا اور ملکی آزادی کی تاریخ میں ہمیں جگہ نہیں ملی، اس کا ہمیں شدید دکھ ہے، سرکاری کتابیں پڑھ کر کوئی بھی یقین نہیں کرسکتا کہ استخلاصِ وطن میں ہم نے بھی کوئی کردار نبھایا ہے، یہ تکلیف دہ صورتِ حال ہے، ہمارے اکابر کی قربانیاں بھی اُن کتابوں میں پیش کی جائیں۔ مولانا شیث احمد صاحب مظاہری زید مجدہم استاذ حدیث کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

انجمن کواکبِ انور کا افتتاحی جلسہ

جامعہ میں طلبہ کی کتابی صلاحیتیں پروان چڑھانے کے ساتھ ہی ان کی خطابی صلاحیتیں بھی اجاگر کی جاتی ہیں، اس مقصد کے لیے برسوں سے"انجمن کواکب انور" کے عنوان سے ایک مجلس قائم ہے، جس کی نگرانی متعلق اساتذہ کرتے ہیں، امسال محترم مولانا صغیر احمد پرتاپگڑھی زید مجدہم استاذ حدیث کو اس کا ناظر اعلیٰ مقرر کیا گیا ہے، ان کی معاونت کے لیے محترم مولانا عبید انور شاہ قیصر زید مجدہم نامزد کیے گئے ہیں۔

انجمن کی ذمے داریوں کی تشکیل جدید کے بعد اس کا افتتاحی اجلاس منعقد ہوا، جس کی صدارت مفتی نثار خالد دیناجپوری زید مجدہم استاذ حدیث نے کی، اجلاس کا بیش تر حصہ طلبہ کی تیاریوں پر مشتمل رہا، اس کے بعد اساتذہ کے بیانات ہوئے، ناظرِ انجمن مولانا صغیر احمد پرتاپگڑھی زید مجدہم نے اپنی تقریر میں طلبہ کو انجمن کے قواعد وضوابط بتائے اور کہا کہ کام چھوٹا ہو یا بڑا، اصول وقواعد پر عمل درآمد ہی اسے معیاری بناتا ہے، لہٰذا طلبہ انجمن کی اہمیت سمجھتے ہوئے اس میں بھرپور حصہ لیں، احقر نے بھی اس اجلاس کو مخاطب کیا، راقم سطور نے تقریر کی اہمیت وافادیت اجاگر کرتے ہوئے کہا زبان اور قلم دونوں کا رشتہ آپس میں مستحکم ہے، دونوں کی اہمیت اپنی پشت پر تابناک تاریخ رکھتی ہے، تاہم ان میں سب سے زیادہ مؤثر زبان ہی ہے، چنانچہ سارے انبیا نے بیانات کے ذریعے ہی اپنی دعوتی مہم جاری رکھی اور اللہ نے اس سے بڑا کام لیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے "ان من البیان لسحرا"، فرما کر اس کی تاثیری حیثیت کو واشگاف کر دیا ہے، عصر حاضر میں اس کی اہمیت یوں بھی ہے کہ اصلاحی جلسوں میں ناپختہ علما کی جلوہ گری بھی اب لازمی عنصر بن گئی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسٹیج سے کچی اور غلط در غلط باتیں بھی عوام کے ذہنوں میں ڈالی جارہی ہیں،

جن سے ان کے عقائد پر زد پڑ رہی ہے، اسٹیج کو باصلاحیت مدرسین اور پختہ علم واعظین کی ضرورت ہے، اس کے لیے آپ کو تیار ہونا ہوگا۔

صدر جلسہ مفتی نثار خالد صاحب زید مجدہم نے اپنی تقریر میں طلبہ کو اچھی تقریریں یاد کرنے پر زور دیا اور کہا کہ یاد کردہ تقریریں مستقبل کی بنیاد بنتی ہیں، یہ تقریریں اچھی طرح یاد ہوں گی اور تقریریں بھی اچھی ہوں گی تو روشن مستقبل آپ کا خیر مقدم کرے گا، مفتی صاحب کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

شعبہ مباحثہ (ڈیبیٹ) کی داغ بیل

طلبہ کو دلائل کے ساتھ اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کا خوگر بنانے کے لیے جامعہ نے شعبہ مباحثہ کی داغ بیل ڈالی ہے، اس کی نگرانی بھی مولانا صغیر احمد پرتاپ گڑھی زید مجدہم کر رہے ہیں، اس شعبے میں داخل طلبہ کو یہ بتایا جائے گا کہ اسلام پر غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب کس طرح دیا جائے گا، اس کی تربیت بھی دی جائے گی کہ اسلامی تعلیمات کو مؤثر اور قابلِ قبول انداز میں کس طرح پیش کیا جائے، یہ بھی سکھایا جائے گا کہ فریق مقابل کی اشتعال انگیز ریمارک پر کیسے قابو پایا جائے، اسلام کے ساتھ دیگر مذاہب کا تقابلی مطالعہ بھی کرایا جائے گا، مدارس کی دنیا میں اس شعبہ کا قیام اولین قدم ہے، عصر حاضر کے میڈیائی چیلنجوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے موقع بہ موقع ماہرین کو مدعو بھی کیا جاے گا، تاکہ ان کے محاضرات اور تجربات سے استفادہ کیا جا سکے۔

دارالحدیث انور ہال تکمیل کے مرحلے میں

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے اسم گرامی سے منسوب دارالحدیث ''انور ہال'' کا تعمیری کام اب تکمیل کے مرحلے میں ہے، دارالحدیث کا تحتانی حصہ مکمل ہو چکا ہے، اس کی چھت کی پی او پی بھی ہو چکی ہے، رنگ و روغن بھی چڑھا دیا گیا ہے، دیواریں بھی مزین ہوگئی ہیں، ان کے ماسوا فرش سے متصل دیوار کے سارے حصے میں کمر کی اونچائی تک خوب صورت ٹائلس لگا دیے گئے ہیں، جن سے ہال کی دل کشی اور جاذبیت دوبالا ہوگئی ہے، ان امور سے فراغت کے بعد اب کھڑکیوں کی پالش اور روغن کا کام جاری ہے، ان شاء اللہ بقرعید تک یہ مرحلہ بھی پورا ہو جاے گا۔

ذخیرہ خانے کی تعمیر

جامعہ کی بڑھتی ضروریات اور روز افزوں پھیلتے ہوے کاموں کے پیش نظر ایک ذخیرہ خانے کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، چناں چہ مطبخ سے متصل ایک ذخیرہ خانے کی تعمیر عمل میں آئی، یہ ایک وسیع ہال پر مشتمل ہے، اس کی تعمیر سے مدرسے کا ایک بڑا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔

احاطۂ جامعہ میں کیمرے کی تنصیب

جامعہ کی حفاظت اور وقت کی نزاکت کے پیش نظر احاطے میں متعدد کیمرے نصب کیے گئے ہیں، مسجد انور شاہ میں دو کیمرے لگائے گئے ہیں، ایک کیمرہ باب معظم شاہ پر بھی ہے، قدیم عمارت میں بھی کیمرہ لگا ہے، احاطۂ مطبخ میں بھی اس کی تنصیب عمل میں آئی ہے، سب سے زیادہ پانچ کیمرے دارالحدیث کی وسیع وعریض عمارت میں لگے ہیں۔

وفیات

حضرت مولانا ریاست علی بجنوری کا وصال

دارالعلوم دیوبند کے قدیم ترین استاذ، مایہ ناز محدث اور ممتاز ترین ادیب وشاعر حضرت مولانا ریاست علی بجنوری کا اپریل 2017 میں انتقال ہوگیا، ان کے سانحۂ ارتحال سے جہاں ایک عالم نے درد والم محسوس کیا، جامعہ بھی رنج وغم میں ڈوب گیا، حضرت الاستاذ کا جامعہ سے خاص تعلق تھا، متعدد مواقع پر تشریف لاتے اور اس کے بڑھتے قدم کو تحسین کی نظر سے دیکھتے، جامعہ کی مسجد انور شاہ کے باب الداخلہ میں نصب پتھر پر انہیں کے اشعار کندہ ہیں جو بطور خاص مسجد کے لیے لکھوائے گئے، ان کے علاوہ جامعہ کا ترانہ بھی انہیں کا نتیجۂ فکر ہے، فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ جب تک حیات رہے، دونوں کے مراسم مستحکم رہے، شاہ صاحب کی لوح تربت پر کندہ تحریر حضرت الاستاذ بجنوری کی ہے، مرحوم نے حضرت شاہ صاحب کے بعد رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم سے بھی قدیم مراسم جاری رکھے، انتقال کی خبر پاکر حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ تعزیت مسنونہ پیش کرنے کے لیے مرحوم کے گھر گئے اور تعزیتِ مسنونہ پیش کی، جامعہ میں ان کے ایصال ثواب کے لیے دعا کی گئی، ان کے صاحب زادے محترم مولانا سعدان جامی زیدمجدہم جامعہ کے استاذ ہیں، اللہ حضرت مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔

حضرت مولانا نسیم غازی مظاہری کی رحلت

جامع مسجد امروہہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا نسیم غازی مظاہری رحلت فرماگئے، ان کے وصال کی خبر پر جامعہ نے اظہار تعزیت اور ایصال ثواب کیا، حضرت مرحوم جید عالم اور بہترین ادیب وخطیب تھے، ایک طویل عرصے تک انہوں نے بخاری شریف کا کامیاب درس دیا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس جونپوری کا سانحہ ارتحال

جولائی 2017 میں عالم اسلام ایک اور عظیم محدث سے محروم ہوگیا، شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس صاحب مظاہری جونپوری بھی اللہ کو پیارے ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نامور محدث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کے ممتاز تلامذہ میں تھے، حضرت شیخ الحدیث کے بعد انہوں نے ہی مظاہر علوم کی تدریس بخاری کو سنبھالا اور کیا خوب نبھایا!! پچاس برسوں تک بخاری شریف کے دروس بڑے امتیاز سے پڑھائے، اللہ انہیں شایان شان بدلہ عطا فرمائے۔

مرحوم کی وفات پر جامعہ میں ایصال ثواب ہوا، اس کے علاوہ یہاں سے ایک وفد تعزیت کے لیے مظاہر علوم بھی روانہ ہوا، جس میں محترم مولانا عبدالرشید بستوی زید مجدہم، محترم مولانا صغیر احمد پرتاپ گڑھی، مولانا مفتی نوید دیوبندی زید مجدہم اور احقر فضیل احمد ناصری شامل تھے، اس وفد نے ناظم اعلی حضرت مولانا سید سلمان مظاہری دامت برکاتہم سے ملاقات کر انہیں اس اندوہ ناک سانحہ پر تعزیت مسنونہ پیش کی، وفد نے رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم کا تعزیتی مکتوب گرامی بھی حضرت ناظم صاحب کو پیش کیا، حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم نے اس مکتوب میں مرحوم شیخ یونس صاحب کی علم الحدیث میں خدمات جلیلہ کا اعتراف کرتے ہوے ان کی رحلت کو ناقابل تلافی خسارہ قرار دیا۔

مولانا احمد بدات کا وصال

طویل عرصے سے حرم شریف میں مقیم گجرات کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا احمد بدات صاحب کے سانحہ ارتحال کا غم بھی اس امت کو جھیلنا پڑا، مرحوم شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ کے خلیفہ تھے، ان کا انتقال بھی اسی دن ہوا، جس دن شیخ یونس صاحب نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی تھی، ان کے لیے بھی جامعہ میں دعاے مغفرت کی گئی۔

واردین وصادرین

12 اگست کو جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب میواتی دام مجدہم کے اعزاز میں استقبالیہ اجلاس منعقد ہوا، جس کی صدارت رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری دامت برکاتہم نے کی، جب کہ نظامت کے فرائض احقر فضیل احمد ناصری استاذ حدیث جامعہ نے انجام دیے، اجلاس کا آغاز حسبِ روایت تلاوت اور نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا، اس کے بعد جامعہ کا ترانہ پیش کیا

گیا، بعدہ صدر اجلاس حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری۔دامت برکاتہم نے مختصر خطاب کیا، جس میں میواتی ضیوف کی آمد پر اظہار مسرت تھا، آپ نے فرمایا کہ ہماری خوش بختی ہے کہ میوات سے آئے ہوئے علما کا ایک وفد ہمارے درمیان موجود ہے، ہمارا سرمایہ دولت اور دنیا نہیں، بلکہ علما اور آخرت ہیں، مہمانِ مکرم بہت ساری نسبتوں کے حامل ہیں، پہلی نسبت تو یہی کہ وہ مسلمان ہیں، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے خون سے بھی زیادہ مضبوط رشتہ ہے، دوسری نسبت یہ کہ مفتی رشید احمد میواتی صاحب اوران کے خانوادے کا تعلق خانوادۂ انوری سے بڑا گہرا رہا ہے، مفتی صاحب کے والد حضرت مولانا عبداللہ میواتی صاحبؒ نومسلم تھے، میواتی قوم یوں بھی جفاکش اور جدوجہد کی علامت ٹھہری ہے، مگر مفتی عبداللہ صاحب کے لیے معاملہ مسائل سے بھرپور تھا، گھر چھوڑا، خاندان چھوڑا اور اسلام کی پرسکون آغوش میں پناہ لی، مسلمان ہوئے تو علم دین کی طلب میں دیوبند پہونچے، امام العصر علامہ کشمیریؒ کی عبقریت کا شہرہ پہلے ہی سن رکھا تھا، دیوبند آئے تو علامہ کشمیری ڈابھیل پہونچ چکے تھے، دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، علامہ کشمیریؒ سے علمی انتساب کا شوق اتنا فراواں تھا کہ یہاں سے نکل کر سیدھے ڈابھیل کے سفر پر روانہ ہوگئے اوران کے خوان علوم سے استفادہ کرنے لگے، وہاں سے نکلے تو افتا کے شوق نے پھر دیوبند پہونچا دیا، یہاں جبال علوم سے استفادہ کے مواقع ملے، دورہ پڑھا، پھر افتا کیا، یہ وہ دور تھا کہ متحدہ ہندوستان کے لاہور میں مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے درس قرآن کا عالم میں ڈنکا بج رہا تھا، اقصائے عالم سے لوگ کھنچے کھنچے آرہے تھے، مفتی عبداللہ صاحب وہاں بھی پہونچے، علم اور اشاعت علم کے نام پر کثرت سے اسفار کیے، وہ بلاشبہ جہاں گشت تھے، کئی تصانیف بھی ان کی یادگار ہیں، آج انہیں مفتی عبداللہ صاحب کے فرزند ہمارے درمیان ہیں، عمر نوے سے متجاوز ہے، پندرہ برسوں سے فالج کے شکار ہیں، چلنا پھرنا ہی کیا، بات کرنا بھی دشوار ہے، جسم کا نصف حصہ شدید متاثر ہے، مگر حوصلہ کے پہاڑ ہیں، ان سخت حالات کے باوجود خانوادہ انوری سے نسبت کی بنا پر تشریف لے آئے، ان کی آمد پر دل کی گہرائی سے خیر مقدم ہے، سچ کہوں تو خانوادۂ انوری کا ایک فرد اپنے گھر واپس آیا ہے، مجھے اس پر بے پناہ مسرت ہے۔

مہمان مکرم مفتی رشید احمد صاحب قاسمی نے لڑکھڑاتی زبان میں تقریر کرتے ہوئے علامہ کشمیری کے متعدد واقعات سنائے، انہوں نے کہا کہ علامہ کشمیری ظاہر و باطن میں بے مثال تھے، ان کی علمیت کے ساتھ ان کا تقوی بھی مثالی تھا، چہرے کی نورانیت ایسی کہ ایک غیر مسلم صرف چہرہ دیکھتے ہی یہ کہہ کر مسلمان ہوگیا کہ یہ چہرہ جس مذہب سے وابستہ ہے، وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا، انہوں نے یہ بھی کہا کہ علامہ کشمیری نے بالغ ہونے کے بعد کوئی بھی کتاب بے وضو نہیں چھوئی، انہوں نے اپنے والد مرحوم مفتی عبداللہ میواتی صاحبؒ کی

علامہ کشمیریؒ کی شیفتگی بیان کرتے ہوئے کہا کہ والد مرحوم کو اپنے استاذ اوران سے منسوب ہر چیز سے بڑی محبت تھی، میں نے بچپن سے ہی علامہ کشمیری کا نام سنا، علامہ کشمیری کی کتابوں سے استفادہ میرے والد کا جنون تھا، انہوں نے طلبہ سے کہا کہ آپ انہیں کے نام سے منسوب جامعہ سے وابستہ ہیں، یہ آپ کی خوش نصیبی ہے، آپ اس وابستگی سے خوب فائدہ اٹھایئے۔

مفتی رشید صاحب کے صاحب زادے مفتی مسعود صاحب نے بھی مختصر تقریر کی، انہوں نے اپنی آمد پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ خاندان کا کوئی فرد طویل گمشدگی کے بعد مل جائے تو اہل خانہ کو اس وقت جس قدر مسرت ہوتی ہے، اس سے کہیں زیادہ مسرت مجھے اس بات کی ہے کہ خانوادۂ انوری کی زیارت کا موقع نصیب ہوا، انہوں نے کہا کہ مجھے بھی خانوادۂ انوری کا ایک فرد سمجھیے، ہمیں جو کچھ ملا ہے، اسی در سے ملا ہے، خانوادۂ انوری کا یہ فیض قیامت تک جاری رہے گا، انہوں نے مزید کہا کہ یہ دور فتنوں کا ہے، ہمارے اکابر نے اپنے عہد کے فتنوں کا کامیاب تعاقب کیا، آج کے فتنے دیکھ کر ہمارے اکابر شدت سے یاد آتے ہیں، سلسلۂ کلام میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ فتنے کے اس دور میں ہم کیسے جئیں، اس کے لیے ہمیں اپنے اکابر کی سیرت کا مطالعہ کرنا پڑے گا، مولانا مسعود صاحب نے کہا کہ دیوبند کا نام بہت اونچا ہے، ہماری نظر میں اس کی جو بھی عظمت ہو، یہ نہ بھولیے کہ دیوبند کا مطالعہ ہم سے زیادہ غیر مسلم کر رہے ہیں کیوں کہ انہیں ہماری شاندار تاریخ معلوم ہے، ہمارے اسلاف کی مجاھدانہ زندگی ان کے سامنے ہے، لہٰذا دیوبند میں اپنی آمد کو کامیاب بنایئے! اخیر میں انہوں نے جامعہ کی ترقیات پر مسرت کا اظہار کیا۔

مفتی رشید احمد میواتی صاحب کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

اسلام پوری دنیا میں پھیل جائے گا: حضرت مقدادؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: زمین کے اوپر کوئی گھر، خواہ وہ مٹی کا ہو یا خیمہ کا، ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ کو معزز کی عزت کے ساتھ اور ذلیل کی رسوائی کے ساتھ داخل نہ کرے (چنانچہ جو لوگ اس کلمہ کو بخوشی اور صدیق دل قبول کرلیں گے) ان کو اللہ تعالیٰ معزز مفتخر بنائے گا اور اس کلمہ کا اہل قرار دے گا اور جو لوگ بخوشی قبول نہیں کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے گا اور وہ لوگ اس کلمہ کے مطیع و فرمانبردار ہونے پر مجبور ہوں گے (بایں طور کہ وہ جزیہ ادا کر کے ہی اسلام کی ریاست میں رہ سکیں گے) میں نے (یہ سن کر) کہا: پھر تو چاروں طرف اللہ ہی کا دین ہوگا۔ (احمد)

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband

Register from Registrar of Newspapers for India U.P. URD.2000/R.N.10663

Contact: (Off) 01336-220471, Mob. +91 8006075484

Email: ahmadanzarshah@gmail.com

Printed & Published by Syed Ahmad Khizar Shah,
Mohtamim of behalf of JIMAS, Behind Eidgah, DBD
and Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers, Deoband

مسجد انور شاہ کا دیدہ زیب نظارہ

انور ہال

مسجد انور شاہ کے برآمدے کا منظر

دارالحدیث (انور ہال) سے بابِ معظم شاہ تک نوتعمیر شدہ سڑک

دفتر تعلیمات و دفتر اہتمام کا برآمدہ

دارالاقامہ کا اندرونی منظر

کتب خانہ

جامعہ کا مطبخ

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah

A/C No. 078600101002339

Corporation Bank Deoband, IFSC Code: CORP0000786